مدارس اسلامیہ کا نظام

تحلیل وتجزیہ

تالیف

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور

ناشر
دار البحوث والنشر
مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ مطبوعات مرکز احیاء الفکر الاسلامی.........(۲۱)

نام کتاب: مدارس اسلامیہ کا نظام-تحلیل وتجزیہ

تالیف: مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

صفحات: ۱۲۰/

تعداد: ۱۱۰۰/

قیمت: ۵۰/روپئے

باہتمام: حافظ عبدالستار عزیزی

سن اشاعت......... ۲۰۱۲ء م ۱۴۳۳ھ

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (انڈیا)
Ph: 0132-2775452 Mob.9719831058
E-mail: masood_azizinadwi@yahoo.co.in

ملنے کے پتے

☆ دار الکتاب، دیوبند سہارنپور (یوپی) ☆ نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور
☆ مکتبہ ابوالحسن، محلّہ مفتی سہارنپور ☆ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
☆ اتحاد بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور ☆ الفرقان نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

انتساب

- اس مدرسہ کے نام جس کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہو اور دوسرا اس زندگی سے۔
- اس مدرسہ کے نام جس کا شجرہ نسب صفہ نبوی پر جا کر ختم ہو۔
- ان مدرسوں کے نام جو اس نسبت عالیہ کے ساتھ کام کرتے رہے اور اب ان کو کوئی نہیں جانتا۔
- اس سلسلۃ الذہب کے مدرسے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور تبلیغی جماعت کے نام جہاں نبوت محمدی ﷺ کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔
- مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد کے نام جس کے اسٹیج سے یہ کتاب وجود میں آئی۔
- اور ان تمام قارئین کے نام جنھوں نے ان مضامین کو سراہا، اور حوصلہ افزائی کے کلمات، زبانی یا فون پر یا تحریری طور پر پیش فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سب کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔

۲۲ محرم ۱۴۳۳ھ — والسلام

۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء — محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد

اجمالی فہرست

(۱) مدارس کی اہمیت وافادیت اور ان کی ذمہ داری ۲۳

(۲) مدارس کا نظام تعلیم وتربیت ۳۱

(۳) مدارس کے قیام وطعام کا نظام ۴۰

(۴) مدارس کا نظام مالیات وحصول زر ۴۷

(۵) مدارس میں فری تعلیم اور فیس کا نظام ۵۵

(۶) مدارس کا نظام دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان ۶۴

(۷) مدارس کا نظام اہتمام وشوری ۷۲

(۸) فارغین مدارس کی ٹریننگ اور تنخواہوں کا معیار ۷۶

(۹) مہتممین، مدرسین، طلباء کرام اور عوام کی سوچ اور ان کی ذمہ داری ۸۲

(۱۰) طلبہ مدارس کا مقام ومرتبہ اور ان کی ذمہ داری ۹۲

(۱۱) بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اساتذہ اور اہل مدارس کی ذمہ داری ۹۸

(۱۲) مدرسہ بورڈ، امیدیں، اندیشے اور مشورے ۱۰۷

(۱۳) مکاتب دینیہ کا قیام اور ان کی افادیت واہمیت ۱۱۴

فہرست مضامین

عرضِ مؤلف

مدارس اسلامیہ کا نظام ۱۴

فون پر یا زبانی قارئین کے تأثرات ۱۵

قارئین کے تحریری تأثرات ۱۶

پیش لفظ ۲۰

مدارس کی اہمیت وافادیت اور ان کی ذمہ داری

مدارس کی تاریخ بڑی قدیم ہے ۲۳

مدرسہ کا کیا ہے؟ .... //

مدرسہ کی ذمہ داری وگراں باری ۲۴

مدرسہ کس درد کی دوا ہے؟ ۲۵

مدرسہ کا شجرۂ نسب ۲۷

مدرسہ کا کام اور اعلان ۲۸

مدارس کی بقاء انفعیت کی بنا پر ہے ۲۹

مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا ۳۰

اگر مسلمان مدارس کے اثر سے محروم ہو گئے ۳۰

مدارس کا نظامِ تعلیم وتربیت

مدارس سے متعلق کوئی اصلاحی تجویز پیش کرنا ۳۱

موجودہ مدارس میں تعلیم کا اوسط کم ہے .... //

کہیں طلبہ کا قیمتی وقت تو ضائع نہیں ہو رہا ہے؟ ۳۲

بعض حضرات کا عذر ۳۳

طلبہ کی تربیت اور دینی مسائل سے واقفیت ۳۴

دینی مزاج اور دینی ذہن بنانے کی ضرورت ۳۵

نو فارغین کی تعلیم کا حال .... //

فارغین کے لیے تخصصات کے کورس اور ان کی بدعنوانیاں ۳۶

اکثر فارغین کی فکر .... //

اہل مدارس کے لیے غور کا ایک پہلو ۳۷

مدارس میں تقرر کے وقت ان فضلاء کا رویہ .... //

اہل مدارس واساتذہ کو توجہ دینے کی ضرورت ۳۸

مدارس کے قیام وطعام کا نظام

مرد وزن کا بے محابہ اختلاط اور مخلوط تعلیم ۴۰

اکثر مدارس میں طلبہ کا اختلاط ۴۱

حدیث میں نو سال کے بچوں کے بستر الگ کرنے کی ہدایت .... //

طلبہ کے اس اختلاط کے نقصانات .... //

اس مشکل کا حل ۴۲

بعض اہل مدارس کا کمزور عذر ۴۳
قوم ہر وقت تعاون کرتی ہے .... //
مدارس میں کھانے کی تقسیم کا مروجہ طریقہ ۴۴
صحیح طریقہ .... //
کھانا کھلانے کا دوسرا طریقہ ۴۵
طلبہ کی عادت .... //
اچھی چیز کو اختیار کرنے اور بری چیز کو چھوڑنے کا اصول اپنانا چاہئے ۴۶

مدارس کا نظام مالیات وحصول زر

مدارس کو چلانے کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے ۴۷
یہ زمانہ تنافس اور کمپٹیشن کا ہے .... //
حصول زر کے لیے اہل مدارس وسفراء کے اسفار ۴۸
اکثر سفراء کی بے راہ روی .... //
علماء سفراء کا آپس میں رویہ ۴۹
اہل مدارس کا آپس میں رویہ ۵۰
تجار کا رویہ .... //
چندہ کا کام بہت مشکل ہے ۵۱
زکوۃ میں اصل تملیک ہے .... //
تملیک کے بعد ذمہ دار اپنی صوابدید سے خرچ کرتا ہے ۵۲
طلبہ اور ان کے وارثین کے دلوں سے زکوۃ کھانے کی شناعت نکل گئی ہے ... //
ایسے حالات میں کہاں طلبہ میں روحانیت اور نور پیدا ہوگا ۵۳
اس وقت کسی مجدد کی ضرورت .... //

مدارس میں فری تعلیم اور فیس کا نظام

مدارس کی بظاہر کثرت اور اس کے نتائج ۵۵
بہت سے اہل مدارس کیلئے مدارس کا نظام چلانا مشکل نہیں .... //
چندہ کے سیزن میں سب کے لیے مشکل ہے ۵۶
سفراء کے لیے رمضان میں عبادت مشکل کام ہے ہو .... //
رمضان کے علاوہ اگر چندہ کا عمل ہو .... //
سفراء کے اخلاق ۵۷
چندہ دینے والوں کی بدتمیزی .... //
گندے مال کو کھانے کے نتائج ۵۸
اس وقت زمانے کو کیسے لوگوں کی ضرورت ہے؟ .... //
بعض اہل مدارس کے افکار ونظریات ۵۹
فیس کا نظام اور اس کے فوائد .... //
قوم کا مزاج ۶۰
تبلیغی جماعت سے سبق حاصل کیا جائے .... //
انگلش میڈیم اسکولوں اور لڑکیوں کے مدرسوں میں فیس کا کامیاب نظام ہے. ۶۲
فیس کا نظام چل سکتا ہے ۶۳

مدارس کانظام دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان

صفہ نبوی تمام تشریعی علوم کا مرکز ۶۴
برصغیر کے اکثر مدارس کا نظام ۶۵
طلبہ اور اساتذہ کا حال .... //

اہل مدارس کا تبلیغی کام سے نہ جڑنا اور اس کے نتائج ۶۶
مدارس کی تعلیم اہل تبلیغ کے یہاں دین نہیں ۶۷
اہل مدارس کا مساجد میں ٹھہرنا ممنوع .... //
تبلیغی جماعت کشتی نوح ہے ۶۸
مدارس میں تبلیغی کام کی ضرورت، تبلیغی حضرات اور عام مسلمانوں کی ذہن سازی //
اہل مدارس کا تزکیہ نفس کے شعبہ کو چھوڑنا اور اس کے نتائج ۶۹
اگر علماء اور اہل مدارس تبلیغ سے نہ جڑے تو بڑا خطرہ ہے ۷۰
خانقاہی نظام کو زندہ کرنے کی ضرورت ۷۱
دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان کی طرف دلچسپی سے توجہ .... //

مدارس کا نظام اہتمام وشوری

اب شوری بس نام کی رہ گئی ہے ۷۲
پہلی اور آج کل کی شوری میں فرق .... //
یہ زمانہ انفرادی طور پر کام کرنے کا ہے ۷۳
اس زمانے میں شوری ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ۷۴
شوری کی اہمیت ہے .... //
حساب وکتاب بھی صاف ستھرا ہونا ضروری ہے ۷۵

فارغین مدارس کی ٹریننگ اور تنخواہوں کا معیار

عصری درسگاہوں میں ٹریننگ کا عام دستور ۷۶
دینی مدارس میں ٹریننگ کا کوئی نظام نہیں .... //
حالانکہ اکابرین نے ٹریننگ حاصل کی ہے ۷۷

اہل مدارس سے قلیل المدتی ٹریننگ کورس جاری کرنیکی گزارش .... //
ٹریننگ کی سند کی بنیاد پر ہی تقرر کیا جائے ۷۸
اگرچہ مدارس کا مقصد روزی روٹی کیلئے تعلیم دینا نہیں ۷۹
مگر بغیر تنخواہ اور روزی روٹی کے کام مشکل ہے ۸۰
اس لیے اچھی اور معیاری تنخواہیں دی جائیں .... //
دو نکاتی فارمولہ ۸۱

مہتممین، مدرسین، طلباء کرام اور عوام کی سوچ اور ان کی ذمہ داری

مدارس کا تعلق چار قسم کے لوگوں سے رہا ہے ۸۲
پہلی قسم کے لوگ .... //
مہتمم کی اپنے مدرسے کے تئیں سوچ ۸۳
مدرسہ میں مہتمم ہی گاڑی کا انجن ہوتا ہے ۸۴
مہتممین اور نظماء حضرات کی ذمہ داری ۸۵
دوسری قسم کے لوگ .... //
کامیاب مدرسین کی پہچان ۸۶
ناکارہ مدرسین کی پہچان .... //
اساتذہ کی ذمہ داری ۸۷
تیسری قسم کے لوگ .... //
نام کے طالب علم ۸۸
طلبہ کی ذمہ داری ۸۹
چوتھی قسم کے لوگ .... //

دنیوی تعلیم یافتہ لوگ ۹۰

بے علم افراد کی سوچ .... //

عوام کی ذمہ داری ۹۱

طلبہ مدارس کا مقام ومرتبہ اور ان کی ذمہ داری

طالب علم کی نسبت عالی اور ذمہ داری ۹۲

تعلیم میں محنت ہونی چاہئے .... //

عربی زبان کا بولنا بھی سنت ہے ۹۳

عربی سیکھنے سے نبی کی سنت زندہ ہوتی ہے ۹۴

ہندی، سنسکرت اور انگریزی زبان کی طرف بھی توجہ دیں .... //

مدرسہ کے کاموں میں بھی حصہ لینا چاہئے ۹۵

سب انتظام ہونے کے باوجود نہ تعلیم میں دلچسپی نہ مدرسہ کے کاموں میں ... //

اذان دینے کے لیے بھی طبیعت آمادہ نہیں ۹۶

طالب علم اپنی حیثیت کو سمجھیں .... //

بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اساتذہ اور اہل مدارس کی ذمہ داری

صحیح تعلیم وتربیت کی کمی کی بعض وجوہات ۹۸

طرز تعلیم سے واقف مہذب ومستعد استاذ کی ضرورت ۹۹

بچوں کو فطری انداز میں تعلیم دینی چاہئے .... //

غلط طریقہ تعلیم سے بچے کند ذہن ہوجاتے ہیں ۱۰۰

چھوٹے بچے ذہین وفطین اور ہوشیار ہوتے ہیں ۱۰۱

مکاتب ومدارس میں کن چیزوں کی کمی؟ ۱۰۲

استاد مستقل مزاج اور ضابطے کا پابند ہو .... //

تعلیم کے لیے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں؟ ۱۰۳

بچوں کو محبت وپیار سے تعلیم دیں .... //

بچوں کی تعلیم کی ابتداء اور مانوس کرنے کا طریقہ ۱۰۴

بچوں کو کیا کیا چیزیں پڑھانی چاہئیں؟ ۱۰۵

بچوں کی نفسیات کو ملحوظ رکھنا چاہئے .... //

بچوں کی ابتدائی تعلیم کی صحت اگلی اعلی تعلیم کی ضامن ہے ۱۰۶

مدرسہ بورڈ امیدیں، اندیشے اور مشورے

مدرسہ واسکول اور کالج کی اہمیت ۱۰۷

مدارس کا نظام بہت ٹھوس اور اہم ہے .... //

مدرسہ بورڈ اور اہل مدارس کے نظریات ۱۰۸

مدرسہ بورڈ کے پس پردہ حکومت اور اسلام مخالف قوتوں کے مذموم مقاصد .. ۱۰۹

اہل مدارس کے سامنے روزگار کا کوئی مسئلہ نہیں .... //

مدرسہ بورڈ کے تئیں ایک دوسرا مثبت نظریہ .... //

آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ کیا ہوا ۱۱۰

حکومت ۴ر فیصد کو چھوڑ کر ۹۶ر فیصد کی فکر کرے ۱۱۱

مدارس کی ڈگریوں کو سرکاری نوکریوں کے لیے تسلیم کیا جائے ۱۱۲

مدرسہ بورڈ کے بعد فرعون زماں جو چاہے گا وہ ہوگا .... //

مکاتب دینیہ کا قیام اور ان کی افادیت واہمیت

مکاتب کا قیام وقت کی اہم ضرورت ۱۱۴

مکاتب قائم کرنے والوں کا مقصد ۱۱۴
مختلف علاقوں کے مکاتب کی صورت حال ۱۱۵
بعض حضرات کو مکاتب کے قیام کا ہیضہ ہے ۱۱۶
مکاتب کے سلسلہ میں بعض حضرات کی زبانی جمع خرچ ۱۱۷
بہت سے لوگ مکاتب کے سلسلہ میں خوب تعاون کرتے ہیں .... //
مکاتب کے سلسلہ میں ایک تاجر کی حماقت .... //
مکاتب کے فوائد ۱۱۸
ہمارے یہاں تو پہلے سے ہی مساجد میں مکاتب قائم ہیں .... //
ضرورت کی جگہوں پر مکاتب قائم ہونے چاہئیں .... //

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

مدارس اسلامیہ کا نظام

پیش نظر کتاب ’’مدارس اسلامیہ کا نظام، تحلیل وتجزیہ‘‘ راقم کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو گذشتہ ایک سال کے درمیان ماہنامہ ’’نقوش اسلام‘‘ میں اداریہ کے طور پر لکھے گئے ہیں، جن میں پہلا مضمون ’’مدارس کی اہمیت وافادیت اوران کی ذمہ داری‘‘ دراصل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب ’’پاجا سراغ زندگی‘‘ کے مختلف اقتباسات کا مجموعہ ہے، جس میں مدارس کی اہمیت وافادیت کے ساتھ مدارس کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے، اس کے بعد دوسرے مضامین ہیں، جن میں مدارس کے مختلف نظاموں اور گوشوں کے سلسلہ میں اپنے افکار ونظریات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، اور مدارس کے نظام وماحول اور وہاں کے کاموں کے سلسلہ میں جو باتیں تجربہ اور ذہن میں آئیں وہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ایک مضمون ’’مدرسہ بورڈ امیدیں، اندیشے اور مشورے‘‘ جو کئی سال پہلے لکھا تھا وہ بھی شامل کردیا گیا ہے، اس طرح یہ کل تیرا مضامین ہیں، چونکہ یہ مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں، اس لیے ان میں بعض باتوں کا تکرار بھی آ گیا ہے، نظر ثانی کے موقع پر بھی تکرار کو حذف نہیں کیا گیا، البتہ جملہ مضامین میں ذیلی عناوین لگا کر ان کو مزید دلچسپ بنانے کی راہ اختیار کی گئی ہے، یہ مضامین دراصل مولانا

کبیر الدین صاحب فاران مظاہری ناظم مدرسہ قادریہ مسر والا، ضلع سرمور (ہماچل) کے مہمیز لگانے اور ''نقوش اسلام'' کی تحریروں پر حوصلہ افزائی فرمانے کی بنا پر وجود میں آئے، جن کو ہمارے بہت سے سنجیدہ قارئین نے سراہا، اور وقت کا تقاضا اور زمانے کی اہم ضرورت قرار دیا، اور ان کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا مشورہ دیا۔

فون پر یا زبانی قارئین کے تأثرات

خاص طور سے زبانی یا فون پر جن حضرات نے حوصلہ افزائی کے کلمات سے نوازا، ان میں حافظ اسماعیل منشی جو شہر لوسا کا زامبیا کے ایک تاجر ہیں، اور اپنے ملک میں بہت سے مکاتب چلاتے ہیں، انہوں نے ان تحریروں کی بہت قدر کی اور فوٹو کاپی کرا کے تقسیم کی، اسی طرح جنوبی افریقہ کے ایک بزرگ عالم دین اور مدارس اسلامیہ کے خیر خواہ مولانا یحییٰ بھام صاحب خلیفہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ نے بھی ان کی اہمیت وافادیت بیان کی، نیز جنوبی افریقہ کے شہر پورٹ شپٹن سے ایک دوسرے بالغ نظر، فکر مند اور مدارس کے محسن حافظ محمد ایوب صاحب کڑوا نے ان تحریروں کی داد دی، اور ان کے مطابق تعلیم وتربیت کے لیے زور دیا اور ان کی اشاعت کی تاکید کی، ہندوستان میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب قاسمی ناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ نے ایک ملاقات پر حوصلہ افزاء کلمات فرمائے، اور فرمایا کہ آئندہ سال سے طلبہ کے لیے مدرسہ میں ۱۰۰؍تختوں کا انتظام کیا جائے گا، مولانا رسال الدین حقانی ندوی ناظم ادارہ شباب اسلامی دہرہ دون تو ہر مضمون پر داد دیتے ہیں، ان مضامین پر بھی حوصلہ افزائی کے کلمات فرمائے، اسی طرح مولانا کلیم اللہ قاسمی صاحب استاد مدرسہ شاہی مراد آباد نے بھی ان مضامین کو سراہا، مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلو کر نے بھی بعض اصلاحی باتوں کی طرف نشاندھی کی، مولانا ممشاد علی قاسمی

ناظم جامعہ اسلامیہ فلاح دارین بلاسپور، مظفر نگر نے بھی داد دی اور ان تحریروں کو سراہا، جناب الحاج حافظ لعل دین صاحب ناظم مدرسہ دعوت الاسلام یمنا نگر نے بھی فون پر حوصلہ افزاء کلمات سے نوازا، اور ان مضامین کی پذیرائی کی۔

قارئین کے تحریری تأثرات

مندرجہ ذیل حضرات نے تحریری شکل میں ہمت افزائی کے کلمات پیش فرمائے ہیں، مثلاً مولانا نور حسن قاسمی وجناب قاری محمد یونس صاحب اساتذہ مدرسہ دعوت الاسلام پبلک اسکول موضع تیور، پوسٹ ساڈھورہ، ضلع یمنا نگر تحریر فرماتے ہیں کہ:

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' میں اداریہ گوشہ میں آنجناب کا مضمون ''مدارس کا نظام تعلیم و تربیت'' اور ''مدارس کے قیام وطعام کا نظام'' پڑھا، جسے پڑھ کر دل کو بہت فرحت وخوشی ہوئی، اس بنا پر کہ یہ آپکی جانب سے شاید ہمارے علماء میں سب سے پہلا قدم ہے، اور یہ سوچ وفکر گذشتہ کئی برسوں سے ہمارے مدرسہ دعوت الاسلام پبلک اسکول کے ناظم و مہتمم حضرت الحاج حافظ لعل دین صاحب کی رہی ہے، مگر ہمارے پاس تحریری وسائل کے ارسال کے ذرائع نہ ہونے کے سبب اس پیغام کو دوسروں تک نہ پہنچا سکے اور یہ فکر بس دل کے ایک گوشہ میں ہی ٹھہر کر رہ گئی۔

آپ کے گوشہ اداریہ کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آج اس عنوان پر پہلی بار کسی نے قلم اٹھایا ہے، ہماری دلی دعاء ہے کہ آپ کی ان فکروں کو باری تعالی قبولیت سے نوازے، اور آئندہ ہم آپ کی جانب سے طلباء کے بارے میں اس طرح کی اصلاحی و تربیتی تحریریں شائع ہونے کی امید کرتے ہیں اور طلباء واساتذہ کے متعلق بھی کچھ مضامین اس نسبت سے ضرور شائع کئے جائیں۔

آپکی اس تحریر کو پڑھ کر ہماری انتظامیہ کمیٹی نے یہ طے کیا کہ آئندہ سال یکم اپریل

۲۰۱۱ء سے طلباء کے کھانا کھلانے کا نظم ایک جگہ ہال میں بٹھا کر دستر خوان پر کیا جائے، فی الحال جس کے لئے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ایک چھپر ہال میں نظم کیا جا رہا ہے اور طلباء کی رہائش کے سلسلہ میں کمروں کی قلت کے سبب ابھی درسگاہوں سے ہی رہائش گاہوں کا کام لیا جا رہا ہے، آئندہ منصوبہ میں اس کمی کو پورا کرنے کی جلدی ہی کوشش کی جائے گی، انشاء اللہ''۔(۱)

مولانا ساجد میاں صاحب (بن حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ) تاج انکلیو دہلی تحریر فرماتے ہیں کہ: ''دیباچہ میں تبلیغی کام میں مدارس کے علماء کے شریک ہونے کے بارے میں آپ کی تحریر بہت قابل توجہ وتقلید ہے، حقیقت یہ ہے کہ علماء کرام کی اس طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ سے غیر قابل لوگوں کو اس میدان میں اترنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اگرچہ علماء کرام اس کام سے غافل نہیں ہیں، اور بہت سے مدارس میں تبلیغ کے شعبے قائم ہیں، جہاں سے مبلغین اس کام کے لیے نکلتے ہیں؛ لیکن تبلیغی جماعت کا کام کرنے کا انداز اور اصول اس طرح بنا لئے گئے ہیں کہ اگر کوئی ان سے ہٹ کر کام کرے تو اس کو اس کام میں شامل نہیں سمجھا جاتا اور اب صورت حال یہ ہے کہ اس کام کا محور صرف ''نکلنا'' رہ گیا ہے، اب ''نکلنے'' کے بعد تعلیم وتربیت ہوتی ہے یا نہیں، اس کی طرف توجہ نہیں ہے، جبکہ بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا طریقہ کار پہلے تربیت پھر نکالنے کا تھا، بہر حال ابھی زیادہ خرابی نہیں آئی ہے اور کچھ سمجھدار لوگوں کے شریک ہونے سے اس کام میں بہت بہتری ہوسکتی ہے''۔(۲)

مولانا محمد عباس صاحب قاسمی ناظم مدرسہ جامع العلوم ڈھاکی سہس پور ضلع دہرہ دون تحریر فرماتے ہیں کہ: ''شوال المکرّم وذی القعدہ ۱۴۳۲ھ ستمبر واکتوبر والے ادبی،

(۱) نقوش اسلام مارچ ۲۰۱۱ء صفحہ ۴۸۔ (۲) نقوش اسلام اگست ۲۰۱۱ء صفحہ ۹۔

معیاری، فکری اور اصلاحی ترجمان نے تو غضب ہی ڈھا دیا، بڑی خوشی ہوئی ''بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اساتذہ واہل مدارس کی ذمہ داری'' والے مضمون کو کئی بار پڑھا، مزید ۲۵؍کاپی کرا کر اساتذہ میں تقسیم کی، اطراف واکناف میں چلنے والے مکاتب کے ذمہ داروں کو پہنچائی، تاکہ احساس پیدا ہو، ایک مہمیز لگے، دینی حمیت کا جذبہ پروان چڑھے، کام کرنے کے جذبات پیدا ہوں، بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دیدیں، تاکہ جملہ مکاتب کے ذمہ داراوں واساتذہ کے نام ارسال کی جائے، اس سے انشاء اللہ سدھار آئے گا''۔(۱)

مولانا محمد ساجد صاحب کھجناوری استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اداریہ میں مدارس کے تعلق سے امید افزاء باتیں آ گئی ہیں، وہاں کے اصحاب بست وکشاد کو اس طرف بصدق دل متوجہ ہونا چاہئے۔ (۲)

فون پر اور بھی احباب نے حوصلہ افزائی فرمائی، جن کے نام یاد آئے تحریر کردئے، اس لیے سبھی حوصلہ افزائی کرنیوالوں کا شکر گزار ہوں، لیکن پنجاب سے ایک صاحب نے فون پر دھمکی بھی دی تھی، کہ میں تمام علماء پنجاب کی طرف سے کہتا ہوں کہ آپ جو مدارس کے خلاف مضامین لکھ رہے ہیں یہ بند کردیجئے ورنہ........... بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ فلاں مدرسہ کے سفیر ہیں، اور ان کا شغل ہی چندہ کرنا ہے، بہر حال جس کا جیسا ظرف تھا، اس نے ویسا ہی کیا، اللہ تعالی ہم سبھوں کو صحیح راستے کی ہدایت نصیب فرمائے۔

ان مضامین سے اگر کسی کو کوئی فائدہ پہنچے، تو وہ راقم کے حسن خاتمہ کی دعا ضرور فرمادیں، اور جن کو کوئی تکلیف پہنچی ہو یا پہنچے، تو وہ ایک ادنی طالب علم سمجھ کر معاف کردیں، اللہ تعالی قبول فرمائے، اور مدارس سے متعلق ان مضامین میں جو باتیں آئی ہیں، ان پر مدارس کی لائن سے خدمت کرنے والا ہر خادم دین سنجیدگی سے غور کرے اور

(۱) نقوش اسلام دسمبر ۲۰۱۱ء صفحہ ۴۷۔ (۲) ایضاً۔

اصلاح احوال کی کوشش کرے، کام تو خوب ہو رہا ہے پہلے سے زیادہ ہو رہا ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں، مگر کچھ اصلاح کی باتیں ہیں، جن کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، خدا کرے یہ مضامین حالات کو سازگار بنانے، فکر وسوچ کے بدلنے، مدارس کے تئیں صحیح لائحہ عمل تیار کرنے اور پھر اس کے نفاذ میں معاون ثابت ہوں، اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

والسلام

محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد

۲۶/ذی الحجہ۱۴۳۲ھ

۲۳/نومبر۲۰۱۱ء بروز بدھ

پیش لفظ

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری

ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا، سرمور، ہماچل پردیش

مدارس اسلامیہ، مکاتب دینیہ، مراکز علمیہ، مساجد اور خانقاہیں اسلامی احکام وہدایات اور اصلاح وتبلیغ کے سرچشمے ہیں، جو اسلام کی روح، دین وایمان کی بقاء، اخلاق واعمال کی حفاظت اور ملک وملت کے لیے رحمت کا ذریعہ ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو بندہ اور خالق کا رشتہ کمزور پڑ جائے، زندگی کی کھیتی خشک ہو جائے، اس میں جمود وتعطل پیدا ہو جائے، اور اس میں کوئی شک نہیں جن ملکوں میں مدارس وخانقاہوں کا یہ سلسلہ اور نظام نہیں وہاں اسلام اور شعائر اسلام کی بقاء مشکل ہے، بلکہ وہاں بے دینی کا عام ماحول ہے، ماضی میں ان کا اب تک اہم کردار اور رول رہا ہے۔

مگر افسوس کہ آج مدارس اسلامیہ پر نظر ڈالنے والا ان کے کردار سے مایوس اور نمناک اٹھتا ہے، جس حمیت وغیرت، جذبہ وحوصلہ، نگاہ وبصیرت اور احساس وشعور کے ساتھ یہ سلسلہ چلا تھا، جس میں محض تعلیم ہدف اساسی نہ تھی بلکہ اس منزل مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ وذریعہ تھی، جو خلافت ارضی کا راز اور وراثت نبوت کا مشن اور امت اسلامیہ کا فرض منصبی ہے، آج مدارس کی جو صورتحال ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں: ع

نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

نہ علم کی پختگی ہے، نہ عمل وکردار، نہ زمانہ پر نظر ہے، نہ سرمایہ سے واقفیت، نہ جدید کی

معلومات ہیں اور نہ قدیم پر گرفت، ہر سال ہزاروں طلبہ فارغ ہوتے ہیں، وہ جن کو ملت کا قائد ہونا چاہئے تھا، وہ کہاں چلے جاتے ہیں، قومی سرمائے اور اجتماعی جد و جہد سے چلنے والے یہ ادارے ایسے پرزے تیار کر رہے ہیں جو زندگی کے کسی شعبہ میں فٹ نہیں ہوتے، اگر ان میں کوئی باہمت و ذی شعور اور حوصلہ مند ہوتا ہے تو اس کا اشہب فکر ایک ’’نئے مدرسے‘‘ کے قیام کے لیے دوڑتا ہے، طرہ یہ کہ ہر شخص مطمئن و قانع ہے، اگر موروثی نظام پر قناعت اور ’’اکابر و اسلاف‘‘ کے فرمودات کو نص قطعی کا درجہ دیا جاتا رہے، خوب سے خوب تر کی تلاش کے بجائے، نظام تعلیم و تربیت پر زمانہ کی ضروریات و تقاضوں کے مطابق غور کرنے کے بجائے اپنے نظام و منہج کو تقدس کا درجہ دیا جائے، تو پھر مطلوبہ کردار اور صالح مستقبل کی امید کیسے کی جاسکتی ہے، اگر ہمارے قائدین صحیح احتساب سے کام لیں، نظام تعلیم و تربیت کو کسی ’’نظام وفکر‘‘ سے ہم آہنگ کرنے سے پہلے نظام نبوی سے موازنہ بلکہ اسی کو نقشہ راہ بنائیں تو تقدیر کے فیصلہ پھر بدل سکتے ہیں۔

صورت شمشیر ہے دست قضاء میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا احتساب

اس وقت جب کہ فتنوں کا دور دورہ ہے، زندگی کے ہر شعبے میں چاہے دینی ہو یا دنیوی، ہر جگہ خرافات اور بے راہ روی نے جنم لے لیا ہے، ایسے حالات میں ہر زمانہ کی طرح کچھ حضرات نے اس بے راہ روی کے خلاف آواز لگائی تھی جو صدا بصحرا ثابت ہوئی، اس لئے جم غفیر میں بہت کم نظر آ رہا ہے، جو درد کا مداوا کر سکے، جو سلف و خلف کا نمونہ بن کر اصلاح حال کی کوشش کر سکے، جو شریک غم ہو کر مدارس کے گھٹتے معیار کو بلند کرنے کی تدابیر اور اصلاح کے لیے سر جوڑ کر بیٹھ سکے، مگر اللہ تعالی کی توفیق سے خزاں رسیدہ چمن کی آبیاری کے لیے ایک دل دردمند، فکر ارجمند، اور زبان ہوشمند کی حامل شخصیت محبّ مکرم حضرت مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی مدظلہ ’’مدارس اسلامیہ کا نظام۔ تحلیل و تجزیہ‘‘ کا تحفہ

لے کر نمودار ہوئی، جس میں شکوہ بھی ہے اور جواب شکوہ بھی، درد و زخم بھی اور مرہم و مداوے کی تمام شکلیں بھی، جو ایک مخلص عالم دین کی آہ و تڑپ، واقعات و حالات کی عالمانہ جستجو اور تجزیہ کا بہترین شاہکار ہے، واقعہ یہ ہے کہ مدارس اور متعلقات کے سوئے مقدر کو جگانے کے لیے عمدہ تدابیر اور مشکلات کا بہترین اور آسان حل بھی اس کتاب میں موجود ہے، جو کتاب کے ہر مضمون بلکہ ہر صفحہ سے ظاہر ہے۔

خوابیدہ ماحول اور واہ واہی کے اس دور میں بلا کم و کاست اور بلا کسی رو رعایت کے مدارس اسلامیہ کی تعلیم و تربیت، علماء، ائمہ اور مبلغین کے فرائض کی ادائیگی میں پیدا شدہ غفلتوں پر اس کتاب کا ہر مضمون نصیحت آمیز تازیانہ اور ایک خوشبودار کنول کی حیثیت رکھتا ہے، جو اس پرفتن و پرآشوب دور میں کِھل کر آیا ہے، بلاشبہ مدارس، مکاتب، مساجد و مراکز کے نظام اور ماحول میں اس کتاب کے مطالعہ سے بہتری اور عمدگی لائی جاسکتی ہے۔

منتظمین و مدرسین، ائمہ اور مبلغین حضرات کی بے اعتنائیوں اور غفلتوں کا مصنف کے قلم پر خاصہ اثر ہے، جس کا اثر بعض جگہ ایک حاذق طبیب، خیر خواہ جراح کی شکل میں بھی نظر آتا ہے، جس کو اصلاح احوال کی مخلصانہ نیت پر قارئین کو محمول کرنا چاہئے اور ہر اصلاح پسند قاری کو غیر جانب دار اور بہترین رفیق کار ہو کر یہ آواز دور تک اور ہر طبقہ تک پہنچانی چاہئے، پھر اس سے ان شاء اللہ حالات کے سازگار ہونے، مقصد تک پہنچنے، اضمحلال کے دور ہونے، ناامیدی کے سیاہ بادلوں کے چھٹنے، اور صالح انقلاب کے برپا ہونے کی بڑی قوی امید ہے، اللہ تعالی سے مدارس، مساجد، مراکز کے اصلاح حال، کتاب کی مقبولیت اور مصنف کی محبوبیت اور دارین میں سرخروئی کی دعا ہے، وما ذلك على الله بعزيز۔

والسلام

کبیر الدین فاران مظاہری — ۳۰/دسمبر ۲۰۱۱ء

ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا، سرمور ہماچل پردیش — ۴/صفر ۱۴۳۳ھ

مدارس کی اہمیت وافادیت اوران کی ذمہ داری

مدارس کی تاریخ بڑی قدیم ہے

مدارس کی تاریخ بڑی قدیم ہے ، مدارس کی اہمیت وافادیت، مدارس کی آفاقیت ووسعت، مدارس کی ہمہ گیریت اور عالمگیریت کا قوموں کی تاریخ میں بڑا رول رہا ہے، جب سے اقوام عالم نے مدارس کی اہمیت کو سمجھا اوران کے کام کو سراہا تو زندگی کے ہر میدان میں نت نئے علوم وفنون کا وجود عمل میں آیا اور زندگی کے تمام شعبوں میں مدارس کے پروڈکشن (Production) کی ضرورت محسوس ہونے لگی، مگر جب یہ مدارس، مدارس اسلامیہ ہوں اوران کی نسبت خالق کائنات کے پسندیدہ دین مذہب اسلام سے ہوتو پھران کی افادیت بھی آفاقی اور عالمگیر مذہب کی طرح عالیشان ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ دنیا میں بزعم خویش ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ، تہذیب یافتہ، متمدن لوگ ان مدارس کی نسبت کو اسلام کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے قدامت پرست، بنیاد پرست، دقیانوسیت، دہشت گردی کے اڈے وغیرہ جیسے گھناؤنے اور غیرانسانی الفاظ سے تعبیر کرتے ہوں۔

مدرسہ کیا ہے؟

مگر سچی بات بقول مفکراسلام حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندویؒ یہ ہے کہ:

’’مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلام کا بجلی

گھر (پاور ہاؤس Power House) ہے، جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے، جہاں قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے، جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے، اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر، زبان وادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اوراس کے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے، جو عالمگیر بھی ہے اور زندۂ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے، جو ہردم جواں ہے، اس زندگی سے ہے، جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم وجدید کی بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے، جہاں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔

مدرسہ کی ذمہ داری وگراں باری

کسی مدرسہ کے لیے اس سے بڑھ کر قابل احتجاج اور قابل اعتراض لفظ نہیں ہوسکتے کہ وہ محض ایک دارالآثار یا کسی قدیم عہد کی یادگار ہے، میں مدرسہ کو ہرمرکز سے بڑھ کر مستحکم، طاقتور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت ونمو سے لبریز سمجھتا ہوں، اس کا ایک سرا نبوت محمدیؐ سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا اس زندگی سے، وہ نبوت محمدیؐ کے چشمۂ حیواں سے پانی لیتا ہے، اور زندگی کے ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اورانسانیت مرجھانے لگے، نہ نبوت محمدی کا دریا پایاب ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدی کے چشمۂ فیض سے بخل اورانکار ہے، نہ انسانیت کے کاسۂ گدائی کی طرف سے استغناء کا اظہار، ادھر سے ”اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ“ کی صدائے مکرر ہے، تو اُدھر سے ”هَلْ مِنْ

مَزِیْدِ، هَلْ مِنْ مَزِیْدٍ" کی فغانِ مسلسل۔

مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا زندہ متحرک اور مصروف ادارہ ہوسکتا ہے، مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا، تو اسے اب فرصت کہاں؟ دنیا میں ہر ادارہ، ہر مرکز، ہر فرد کو راحت اور فراغت کا حق ہے، اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لیے آرام ہے؛ لیکن اس مسافر کے لیے راحت حرام ہے، اگر زندگی میں ٹھہراؤ ہو، سکون اور وقوف ہو، تو حرج نہیں کہ مدرسہ بھی چلتے چلتے دم لے لے؛ لیکن جب زندگی رواں اور دواں ہے، تو مدرسہ میں جمود اور تعطل کی گنجائش کہاں ہے، اس کو قدم قدم پر زندگی کا جائزہ لینا ہے، بدلتے ہوئے حالات میں احکام دینے ہیں، نئے نئے فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے، بہکے ہوئے قدموں کو راستے پر لگانا ہے، ڈگمگاتے ہوئے پیروں کو جمانا ہے، وہ زندگی سے پیچھے رہ جائے یا تھک کر بیٹھ جائے، یا کسی منزل پر قیام کرلے، یا اس کو کوئی مقام خوش آجائے، تو زندگی کی رفاقت اور قیادت کون کرے، سرودِ ازلی اور پیغامِ محمدی اسے کون سنائے، مدرسہ کا تعطل، قیادت سے کنارہ کشی، کسی منزل پر قیام، خودکشی کا مرادف اور انسانیت کے ساتھ بے وفائی کا ہم معنی ہے، اور کوئی خودشناس، اور فرض آشنا مدرسہ اس کا تصور نہیں کرسکتا۔(۱)

مدرسہ کس درد کی دوا ہے؟

صحیح دینی مدرسہ کے بارے میں میرا نقطہ نظر بہت سے بھائیوں سے اور ان پڑھے لکھے دوستوں سے مختلف ہے، جو مدرسوں سے واقفیت کا دعوی رکھتے ہیں، یا اس سے تعلقات رکھتے ہیں، میں مدرسہ کو پڑھنے پڑھانے اور پڑھا لکھا انسان بنانے کا کارخانہ نہیں سمجھتا، میں مدرسہ کی اس حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں، میں اس سطح پر

(۱) پاجا سراغ زندگی ملخصاً صفحہ ۹۰/۹۱۔

آنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ مدرسہ اسی طریقہ سے پڑھنا لکھنا سکھانے یا یوں کہنا چاہئے کہ پڑھنے لکھنے کا ہنر سکھانے کا ایک مرکز ہے، جیسے کہ دوسرے اسکول اور کالج ہیں، میں اس کو مدرسہ کے لیے ازالۂ حیثیت عرفی کے مرادف سمجھتا ہوں، یعنی اگر میں مدرسہ کا وکیل ہوتا یا میں خود مدرسہ بن جاؤں تو میں اس پر ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ قائم کرسکتا ہوں، اگر کوئی مدرسہ کو صرف اتنا حق دینے اور مدرسہ کو صرف اتنا ماننے کے لیے تیار ہے کہ "صاحب! جیسے پڑھنے لکھنے کا ہنر سکھانے کے لیے بہت سے کارخانے ہیں، بہت سے مرکز ہیں، کوئی اسکول کہلاتے ہیں، کوئی کالج کہلاتے ہیں، ان کے مختلف معیار اور مختلف سطحیں ہیں، اسی طریقے سے مدرسہ بھی عربی زبان یا عربی علوم وفنون، فقہ اور دینیات، تفسیر وحدیث سکھانے کا ایک مرکز یا ایک کارخانہ ہے"۔

میں مدرسہ کو نائبین رسول وخلافت الٰہی کا فرض انجام دینے والے، اور انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے، انسانیت کو اپنا تحفظ وبقا کا راستہ دکھانے والے افراد پیدا کرنے والوں کا ایک مرکز سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو آدم گری اور مردم سازی کا ایک کارخانہ سمجھتا ہوں، جس طرح فیکٹریاں ہوتی ہیں، مختلف قسم کی، کوئی گن فیکٹری ہوتی ہے، کوئی شوگر فیکٹری ہوتی ہے، کوئی کسی اور قسم کی مشین ڈھالتی ہے، ہیوی الیکٹرک کے سامان پیدا کرنے کے بہت سے کارخانے ہیں، ہم ان کی بہت قدر کرتے ہیں، ہم ان کی ملک میں ضرورت تسلیم کرتے ہیں، ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے؛ لیکن چیزوں کے مختلف درجے ہوتے ہیں، مدرسہ اس طرح کے پڑھے لکھے آدمی پیدا کرنے کا مرکز نہیں، مدرسہ ایسے لوگوں کے پیدا کرنے کا مرکز ہے، جن کا ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ مدرسہ ایسا کررہا ہے، یا نہیں اور ہر مدرسہ یہ کرنا چاہتا ہے یا نہیں؟ اس کا اس اصولی بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

میں مدرسہ کے ایک خادم کی حیثیت سے اور مختلف مدارس سے تعلق رکھنے والے کی

حیثیت سے اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ بہت سے مدارس یہ فرض انجام دینے سے قاصر ہیں یا قاصر ہو گئے ہیں، پہلے یہ فرض انجام دیا کرتے تھے، اب یہ فرض وہ انجام نہیں دے رہے ہیں، کیوں؟ لیکن مدرسہ کو کیا فرض انجام دینا چاہئے، مدرسہ کا فرض کیا ہے؟ مدرسہ کے سپرد کون سا کام کیا گیا ہے؟۔

مدرسہ کا شجرۂ نسب

حقیقی مدرسہ کی بنیاد اور پہلے مدرسہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی ہے، پہلے مدرسہ کی بنیاد قرطبہ اور غرناطہ میں نہیں رکھی گئی، قیروان اور قاہرہ میں نہیں رکھی گئی، دہلی اور لکھنؤ میں نہیں رکھی گئی، فرنگی محل، ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند میں نہیں رکھی گئی، پہلے مدرسہ کی بنیاد مسجد نبوی میں رکھی گئی، اور اس مدرسہ کا نام صفہ تھا، آپ مجھے معاف کریں، میں مدرسوں میں صحیح النسب مدرسہ اور عالی نسب مدرسہ اسی کو سمجھتا ہوں، جس کا شجرۂ نسب صفہ نبوی پر جا کر ختم ہو، اور میں اسی مسجد کو صحیح النسب مسجد سمجھتا ہوں، جس کا شجرہ نسب کعبہ ابراہیمی پر جا کر ختم ہو اور مسجد نبوی پر ختم ہو، میں اس کے مقابلہ میں دوسرے الفاظ بولنا نہیں چاہتا کہ وہ مسجد کیا کہلائے گی؟ لیکن قرآن مجید نے بتا دیا ہے، ہمیں اور آپ کو کوئی نیا لقب ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں، وہ مسجد، مسجد ضرار کہلائے گی، جس کا شجرۂ نسب ابراہیم ومحمد علیہما السلام کی بنائی ہوئی مسجدوں پر ختم نہیں ہوتا۔

اور وہ مدرسہ مدرسہ نہیں بلکہ انسانیت کی قتل گاہ کہلائے گا، جس کا شجرہ نسب صفہ نبوی پر ختم نہیں ہوتا، مسجد نبوی پر ختم نہیں ہوتا، اور ابوذرؓ وسلمانؓ پر ختم نہیں ہوتا، صدیقؓ وعلیؓ پر ختم نہیں ہوتا، زیدؓ اور سیدہ عائشہؓ پر ختم نہیں ہوتا۔

ان مبلّغان دین، ان ہادیان انسانیت، ان پیشوایان عالم پر ختم نہیں ہوتا، جنھوں نے ہدایت کا پیغام دیا، جنھوں نے قربانی کا پیغام دیا، جنھوں نے خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو

نفع پہنچانے کا پیغام دیا کہ اپنا زیاں مقصود ہے اور اپنا زیاں گوارہ ہے؛ لیکن دوسروں کا زیاں گوارہ نہیں، جنھوں نے یہ پیغام دیا کہ اپنے گھر میں اندھیرا رکھ کر دوسروں کے گھروں میں روشنی کا انتظام کرو، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر (اس لیے کہ ان کا سلسلہ انہیں پر ختم ہوتا ہے، جنھوں نے غزوہ خندق میں پیٹ پر دو دو پتھر باندھے تھے) دوسروں کے بچوں کا پیٹ بھرنے اور ان کو کھلانے کا انتظام کرو، جنھوں نے یہ پیغام دیا کہ مدرسہ کا کام ملازمت دلانا نہیں ہے، مدرسہ کا کام آسامیاں بانٹنا نہیں ہے، مدرسہ کا کام ایسا پڑھا لکھا انسان بنانا جو اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو مسحور کرلے نہیں ہے۔

مدرسہ کا کام اور اعلان

مدرسہ کا کام قرآن سنانا ہے، جب کہ دنیا میں ہر حقیقت کا انکار کیا جارہا ہو اور یہ کہا جارہا ہو کہ سوائے طاقت کے کوئی حقیقت ہے ہی نہیں، جب دنیا میں بلا محابہ ڈنکے کی چوٹ پر کہا جارہا ہو کہ دنیا میں صرف ایک حقیقت زندہ ہے اور سب حقیقتیں مرچکیں، اخلاقیات مرچکے، صداقت مرچکی، عزت مرچکی، غیرت مرچکی، شرافت مرچکی، خودداری مرچکی، انسانیت مرچکی، صرف ایک حقیقت باقی ہے اور وہ نفع اٹھانا اور اپنا کام نکالنا ہے، وہ ہر قیمت پر عزت بیچ کر، شرافت بیچ کر، ضمیر بیچ کر، اصول بیچ کر، خودداری بیچ کر، صرف چڑھتے سورج کا پجاری بننا ہے، اس وقت مدرسہ اٹھتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ انسانیت مری نہیں ہے، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ نقصان میں نفع ہے، ہار جانے میں جیت ہے، بھوک میں وہ لذت ہے جو کھانے میں نہیں، اس وقت مدرسہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ذلت بعض مرتبہ وہ عزت ہے، جو بڑی سے بڑی عزت میں نہیں ہے، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت خدا کی طاقت ہے، سب سے بڑی صداقت حق کی صداقت ہے، یہ ہے مدرسہ کا کام، اور اگر مدرسہ یہ کام چھوڑ دے اور دنیا

کے سارے کام کرنے لگے تو وہ مدرسہ، مدرسہ کہلانے کا مستحق نہیں۔(۱)

ایک جگہ حضرت مولانا مدرسے کا کام بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باحوصلہ، ایسے باہمت فضلا پیدا کرے کہ جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا اپنی جگہ پر کھڑا ہے، راستہ بتاتا ہے، جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتادے گا، ہندوستان میں بتائے گا، دوسرے ملک میں بتائیگا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا، یہ عالم کا کام ہے، کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما رہے‘‘۔(۲)

مدارس کی بقاء انفعیت کی بنا پر ہے

دنیا میں کوئی ادارہ محض اس وجہ سے نہیں چل سکتا کہ یہ ادارہ آج سے سو برس دو سو برس پہلے قائم ہوا، اور اس نے کچھ مفید خدمت انجام دی تھی، محض تاریخ کے بل پر، محض تاریخ کے سہارے کوئی ادارہ، کوئی تحریک، کوئی فلسفہ، کوئی نظام نہ چلا ہے، نہ چلے گا، اگر آپ کسی ادارے کو قائم رکھنے کے لیے اور اس کے لیے کچھ مراعات حاصل کرنے کے لیے اس کی تاریخ پیش کرتے ہیں کہ اس نے دور ماضی میں یہ خدمات انجام دیں، تو لوگ اس کو بالکل نہیں سنیں گے، اور اگر کوئی آج خاموش ہو جائے گا، تو کل اس کے اندر سے نہایت پرزور اور پرجوش تقاضہ پیدا ہوگا کہ اس کو ختم کر دینا چاہیئے، اللہ تعالی کا جو نظام اس کائنات میں جاری وساری ہے، جو ہمیں قرآن مجید اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ بقائے انفع کا قانون ہے، سورہ رعد کی آیت ہے: ’’فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ‘‘ جو جھاگ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، اور جو چیز لوگوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے، اگر ہمارے مدارس یہ چاہتے ہیں کہ وہ باقی رہیں، وہ اس زندگی میں اپنی جگہ بنانا چاہتے ہیں، زندگی کا استحقاق ثابت کرنا

(۱) پاجا سراغ زندگی صفحہ ۱۸۹/تا ۱۹۲۔(۲) پاجا سراغ زندگی صفحہ ۱۹۹۔

چاہتے ہیں تو ان کو اپنے اندر نافعیت پیدا کرنی چاہیئے۔(۱)

مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا

خدا کا شکر ہے کہ ہوا کے رخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں ہے، اگر مدرسہ کا یہ اصول ہوتا تو وہ کب کے انگریزی کے، عربی کے کالج بن چکے ہوتے، جو اس وقت چند گنے چنے مدرسے باقی ہیں، وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنے کو قبول نہیں کیا۔(۲)

اگر مسلمان ان مدارس کے اثر سے محروم ہو گئے

آج کل کے جدت پسندی کے دور میں جب کہ ہر طرف سے مدارس کو جدید معیار پر ڈھالنے (Up to date) کرنے، ان کو اسکول وکالج کے مشابہ بنانے اور ان کی تعلیم اور پیغام کو ناقص بتانے کا عام رجحان ہو رہا ہے، ایسے وقت میں ان تجدد پسند اور مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران کی خدمت میں علامہ اقبال کا یہ خط پیش کیا جاتا ہے، جو علامہ نے اپنے ایک نیاز مند حکیم احمد شجاع کو لکھا تھا، اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ ’’ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان ان مدارس کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

(۱) پاجا سراغ زندگی ملخص صفحہ ۱۵۹/۱۶۱۔ (۲) پاجا سراغ زندگی صفحہ ۲۰۰۔

مدارس کا نظامِ تعلیم وتربیت

مدارس سے متعلق کوئی اصلاحی تجویز پیش کرنا

اس وقت مدارس اسلامیہ سے متعلق کوئی بات کہنا، کوئی اصلاحی تجویز پیش کرنا بلکہ کسی بھی طرح کی لب کشائی کرنا یہ آدمی کو شک کے دائرہ میں لاکھڑا کرتی ہے کہ لوگوں کو کیا پڑی ہے کہ مدارس کے پیچھے ہی ہاتھ دھوکر پڑے ہیں، مٹھی بھر طلبہ ان میں پڑھتے ہیں، جو بھی ہو رہا ہے، سب ٹھیک ہو رہا ہے، ہمارا نظام، نصاب اور دستور العمل ٹھوس، مضبوط اور اکابر کا وضع کردہ ہے، اسی منہج اور نظام کے مطابق نہ معلوم کتنے اکابر علماء، فقہاء، محدثین اور ائمہ فن پیدا ہوئے ہیں۔

موجودہ مدارس میں تعلیم کا اوسط کم ہے

بعض اصحاب فکر کو مدارس کے موجوہ طرز تعلیم، طرز انتظام سے اختلاف ہے، وہ اختلاف اگر اہل مدارس کے علاوہ کی طرف سے ہوتا تو شاید اتنا اہم بھی نہ سمجھا جاتا اور اس کی وقعت بھی زیادہ نہ ہوتی، مگر معاملہ اس کے برعکس ہے، جیسا کہ نصاب تعلیم کے سلسلہ میں بھی آواز لگانے والے سواصدی پہلے اہل مدارس ہی تھے، اور اب نظام مدارس کے سلسلہ میں آواز لگانیوالے بھی اہل مدارس ہی ہیں، بعض اہل مدارس جو اس سلسلہ میں فکر مند ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارے مدارس میں تعلیم کا جو اوسط ہے وہ کافی کم ہوتا جارہا ہے، مثلاً سالانہ چھٹی کہیں تو شروع شعبان میں، کہیں نصف شعبان میں اور

کہیں اخیر عشرے کی ابتدا میں ہوجاتی ہے، پھر عید کے بعد داخلوں کی کارروائی ہوتے ہوتے کہیں پندرہ شوال اور اکثر جگہ شوال کا اخیر ہی ہوجاتا ہے، جب پڑھائی شروع ہوتی ہے، پھر عیدالاضحیٰ کے موقع پر دور والے طلبہ ٹکٹوں کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور کنشیسن فارم حاصل کرنے کی تگ ودو میں لگ جاتے ہیں، یوں ذی الحجہ کا بھی اکثر حصہ چھٹیوں کی نذر ہوجاتا ہے، پھر کہیں ماہانہ ٹیسٹ ہوتا ہے، کہیں دو ماہی ٹیسٹ ہوتا ہے، کہیں سہ ماہی ہوتا ہے اور اکثر جگہ ششماہی امتحان ہوتا ہے، تو اس میں بھی چھٹی ہوتی ہے اور اچھا خاصہ وقت گذر جاتا ہے، غرضیکہ سال کے بارہ مہینوں میں ۲/ ماہ تو شعبان رمضان شوال میں سے نکل جاتے ہیں، ایک ماہ عیدالاضحیٰ اور ششماہی کی تعطیل میں نکل جاتا ہے، باقی ۹/ ماہ میں ۳۶/ جمعے آتے ہیں، اور جمعہ کے ساتھ اکثر جگہ جمعرات کی شام کا وقت تو متأثر ہو ہی جاتا ہے؛ لیکن اگر جمعوں کے ۳۶/ دن نہ لگائیں جائیں، تب بھی ۳/ ماہ تو ضائع ہو ہی جاتے ہیں، اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں یہ امت کا اور اس کے مال کا اور امت کے افراد کے وقت اور صلاحیت کا استحصال تو نہیں ہو رہا ہے؟۔

کہیں طلبہ کا قیمتی وقت تو ضائع نہیں ہو رہا ہے؟

اگر چہ بعض حضرات اس طرح بھی جواب دیتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے یہاں جو نصاب ہے، وہ پورا ہوجاتا ہے، کوئی کتاب ناقص نہیں رہتی، اور ہمارے یہاں طلبہ کی استعداد بھی اچھی ہے، ماشاء اللہ سب ان کو ہضم ہوجاتا ہے، یہ اور اس طرح کی باتیں اپنے دل کو اور اپنے ماحول اور اپنی پرانی عادت کو سمجھانے اور تسلی دینے کے لیے تو بہت اچھی اور قابل اطمینان ہیں، مسئلہ اس کا نہیں کہ نصاب پورا ہوجاتا ہے، اور صلاحیت بھی بزعم خویش صحیح ہوجاتی ہے، مسئلہ اس قیمتی وقت کا ہے جو ضائع ہوجاتا

ہے، اگر ۹/ ماہ میں مجوزہ نصاب پورا ہو رہا ہے، اور صلاحیت بھی مناسب بن رہی ہے، تو نصاب کو بڑھا کر اور کم سے کم چھٹی کر کے مزید صلاحیت بنائی جاسکتی ہے، اگر نصاب جوں کا توں رکھنا ہے، تو طلبہ کے ۷/ یا ۸/ سال کیوں ضائع کئے جارہے ہیں، یہی نصاب، یہی کام، یہی صلاحیت ۵/ یا ۶/ سال میں کیوں نہیں ہو پاتی، تاکہ اگلے دو یا تین سال میں طالب علم حدیث میں، تفسیر میں، فقہ میں، ادب میں یا انگریزی زبان میں تخصص کرلے اور اتنے وقت میں وہ اپنے آپ کو زیادہ مفید اور باصلاحیت بنالے اور امت کے لیے زیادہ کارگر ثابت ہو جائے، مدارس کے اس نظام کے سلسلہ میں نص تو ثابت ہے نہیں، یہ تو حالات اور وقت کے تقاضے کے مطابق اکابرین نصاب اور نظام وضع کرتے رہے، تو اس سلسلہ میں اگر علماء کرام غور فرماویں اور سنجیدگی سے جوامت کے طلبہ کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ جس کے ضائع ہونے کا کم لوگوں کو احساس ہے۔ اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے جو بھی نظام بنائیں گے تو آئندہ آنے والی نسلیں اس کو بھی اکابر ہی کا نظام سمجھیں گی، اس لیے کہ ہر پہلا بعد والے کے لیے اکابر میں ہی شمار ہوتا ہے، اس لیے بعض اہل علم مفکرین کا کہنا ہے کہ جہاں ارباب مدارس بہت حد تک اصلاح نصاب کے سلسلہ میں حرکت میں آئے ہیں، اور کچھ نہ کچھ نصاب کے سلسلہ میں کوشش کی ہے، وہ نظام مدارس کے سلسلہ میں بھی کوشش کریں۔

بعض حضرات کا عذر

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اصل میں رمضان شریف میں حصول زر اور چندہ کے لیے علماء اور سفراء مدارس دور دراز علاقوں کا سفر کرتے ہیں، اور اس سے پہلے اور بعد میں ان کو اپنی گھریلو ضروریات کی وجہ سے گھروں پر بھی جانا ہوتا ہے، اور بہت سے طلبہ واساتذہ کو رمضان میں قرآن شریف سنانا ہوتا ہے، اس لیے یہ اتنا وقفہ ناگزیر ہے، تو

پھر اس کا حل کیا ہے؟ اس کے لیے اکابر علماء کو سوچنے کی ضرورت ہے، یا جو ملت کے دردمند، فکرمند حضرات ہیں، ان کے ذہن میں اس سلسلہ میں جو تجاویز آتی ہیں یا تو وہ اپنی تجاویز اور تدابیر لکھ کر اکابر علماء سے رجوع کر کے اور ان کی خدمت میں پیش کریں، یا جو اس طرح کی فکر رکھنے والے حضرات ہیں، وہ آپس میں ایک جگہ جمع ہو کر یا خط وکتابت اور مراسلت کے ذریعہ سے ایک دوسرے کو آگاہ کر کے صحیح لائحہ عمل پیش کریں، شاید کہ امت کے لیے کوئی اچھا نسخہ ہاتھ آجائے، یہ معاملہ اگرچہ بہت مشکل اور دشوار ہے، مگر انسان کے لئے کوئی مشکل نہیں حل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

طلبہ کی تربیت اور دینی مسائل سے واقفیت

ایک دوسری بات جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ طلبہ کی تربیت ہے، تربیت کے سلسلہ میں ہمارے مدارس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے، ماشاء اللہ پڑھائی پر بہت محنت ہو رہی ہے، خاص طور سے نئے مدارس میں تعلیم زیادہ اچھی ہو رہی ہے، مگر تربیت کے سلسلہ میں ہر جگہ کافی کوتاہی ہے، حفظ وقرأت کے مدارس میں مسائل دینیہ کے سلسلہ میں توجہ کم ہے، مثلاً ایک طالب علم حافظ تو بہت اچھا ہو گیا، یاد بھی ماشاء اللہ خوب ہے، تجوید وترتیل اور ادائیگی تلفظ بھی بہترین ہے، مگر اس کو مسائل معلوم نہیں اور سیرت نبوی کا پتہ ہی نہیں، کم سے کم حفاظ کرام اور قراء حضرات کو قرآن شریف کے ساتھ ساتھ مسائل نماز وغیرہ ضرور سکھائیں جائیں، تاکہ وہ جب کہیں مسجد میں جاکر امامت کریں، تو موٹے موٹے پیش آنے والے مسائل کو وہ بتاسکیں، اور خود عمل کرسکیں، اور اردو بھی ان کی اچھی ہو جانی چاہئے تاکہ وہ کتاب صحیح پڑھ سکیں، کوئی چیز صحیح لکھ سکیں، بعض امام یا استاذ حافظ قاری بہترین مگر جب وہ درخواست لکھتا ہے، یا مسجد کی کاپی یا نکاح نامہ کا فارم بھرتا ہے، تو وہ نام تک بھی صحیح نہیں لکھ پاتا، اس وقت بہت کوفت اور تکلیف ہوتی ہے۔

دینی مزاج اور دینی ذہن بنانے کی ضرورت

تربیت میں جہاں لکھنا پڑھنا اور مسائل سے واقف کرانا ہے، وہیں ان کا مزاج بھی دینی بنانا ہوتا ہے، بعض اچھے خاصے حافظ قاری بظاہر امامت بھی کراتے ہیں، مگر مزاج دینی نہیں، دینی ذہن نہیں، اس میں ہمارے اساتذۂ مدارس کی غفلت ہے، جو تھوڑی سی توجہ سے دور کی جاسکتی ہے۔

نو فارغین کی تعلیم کا حال

رہا مدارس سے فارغ ہونیوالے فضلا و علماء کا مسئلہ تو ان کی بھی دینی تربیت کی ضرورت ہے، شاید بعض اس پر اعتراض بھی کرے کہ صاحب! یہ آٹھ سال مدرسے میں رہے، کیا ان کی تربیت نہیں ہوئی، پھر ان کی تربیت کہاں ہوگی؟ بات صحیح ہے، جب یہ آٹھ سال مدرسے میں رہے، تو ان کی تربیت ہونی چاہئے، اور مدارس ہی تو اصل تربیت گاہ ہیں، مگر جب ہم فارغ ہونیوالے علماء وطلبہ کا مزاج اور ان کی صلاحیت دیکھتے ہیں تو اکثر مرتبہ افسوس ہوتا ہے، اس پر بعض حضرات یہ کہہ کر سکون حاصل کر لیتے ہیں کہ اب تو دیوبند اور ندوہ سے بھی شیخ الہند، حضرت تھانوی، سید سلیمان ندوی اور علی میاں ندوی نہیں پیدا ہورہے ہیں، ہر جگہ انحطاط ہے، صلاحیت کا فقدان ہے، ایسا نہیں ہے، ہم مانتے ہیں کہ ماحول کا اثر ضرور ہوتا ہے، مگر ماحول کے بھی تو کوئی ذمہ دار ہوں گے، ہمیں تجربہ ہوا ہے کہ جب کہیں فضلائے مدارس کا تخصص کے کسی شعبہ میں داخلے کے لیے ٹیسٹ لیا جاتا ہے تو زیادہ تر صحیح جواب نہیں دے پاتے، کم علماء ہی صحیح جواب دے پاتے ہیں، جس پر ہم خوش ہورہے ہیں کہ ہمارے یہاں اتنے طلبہ ہیں، اتنے دورۂ حدیث میں ہیں۔

فارغین کے لیے تخصصات کے کورس اور ان کی بدعنوانیاں

آج کل بہت سی جگھوں پر ان نو فارغین علماء کے لیے مختلف قسم کے تخصصات کھولے جارہے ہیں، کہیں عربی ادب کے لیے، کہیں فقہ وافتاء میں تخصص کے لئے، کہیں انگریزی کے لیے، کہیں دعوتی مزاج بنانے کے لیے، اور ان کو ہر طرح کی سہولت بہم پہچانے کی سعی کی جارہی ہے، جس پر کثیر صرفہ ہورہا ہے، اور ابھی آٹھ سال تک اہل مدارس نے ان پر صرفہ کیا ہی تھا، اب یہ تخصصات کھولنے والے مزید ان پر یہ نوازش کررہے ہیں کہ پورا خرچ کھانے پینے کا، رہنے سہنے کا اٹھانے کے ساتھ ساتھ ان کو وظائف بھی دے رہے ہیں، وہ وظائف بھی امت کے متمول مخیّرین اصحاب خیر کے دئے ہوئے ہوتے ہیں، پھر یہ سند یافتہ علماء بشکل طلبہ جتنی بے اصولیاں، بدعنوانیاں کرتے ہیں، اس کا تجربہ ان سب کو ہے، جنھوں نے ان کے لیے یہ مراعاتی کورس شروع کئے ہوئے ہیں۔

اکثر فارغین کی فکر

اور جب یہ فضلا کرام اپنا کورس پورا کر لیتے ہیں، پھر کسی مدرسہ میں ان کو مدرس یا استاد رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اکثر تو جو عربی کی کچھ شد بد حاصل کر لیتے ہیں، یا انگریزی کا کورس کر لیتے ہیں تو یا تو وہ کسی کمپنی کی جوب تلاش کرتے ہیں یا کسی غیر ملکی فرم میں سیٹ ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اگر مدرسہ میں رکھنے کی بات کی جاتی ہے تو ان کا مطالبہ بڑی کتابوں اور بڑے درجوں کا ہوتا ہے یا اگر اہل مدارس ان کو بڑی کتاب یا بڑا درجہ دیتے ہیں، تو وہ سبحان اللہ، الحمدللہ کہتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب تنخواہ کی بات ہوتی ہے تو زیادہ سے زیادہ مطالبہ کرتے ہیں، عام طور سے اکثر مدارس میں ۲/ ہزار سے ۵/ یا ۶/ ہزار تک تنخواہ دی جاتی ہے، اس لیے وہ اس کو حقیر

اور معمولی سمجھ کر یا تو دوسری طرف نگاہ رکھتے ہیں، یا پھر صحیح نیت سے اخلاص کے ساتھ کام نہیں کرتے، اگرچہ مدارس میں لوگ معمولی تنخواہوں پر ہی کام کررہے ہیں۔

اہل مدارس کے لیے غور کا ایک پہلو

مگر اہل مدارس کے لیے یہ پہلو بھی غور کرنے کے لائق اور اہم ہے- اگرچہ آج کل مشہور ہے کہ مدارس کی کثرت ہے، مگر ضرورت اب بھی پوری نہیں ہورہی ہے- وسائل بھی خوب ہیں اور مدارس کے سالانہ اخراجات بھی ماشاءاللہ کافی ہیں، تو اگرچہ اکابر کے طرز پر تھوڑے پر قناعت کرنے کی تربیت کرنی چاہئے؛ لیکن پھر بھی اساتذہ کرام وعلماء کرام کے اس مسئلہ کو سنجیدگی سے سوچنا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ دی جائے، تاکہ وہ یکسو ہوکر اپنے فرائض منصبی کو اچھی طرح پورا کرسکیں، مگر آج کل یہ ہورہا ہے کہ تعمیرات میں خوب خرچ ہے، مدرسے کی ترقی پر بھی خوب خرچ ہے، طلبہ کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانے پر بھی خرچ ہے، مگر اساتذہ کی تنخواہوں پر کم خرچ ہے، اس لیے ارباب مدارس اساتذہ کی تنخواہ بھی معقول رکھیں۔

مدارس میں تقرر کے وقت ان فضلاء کا رویہ

اور جب ان نو فارغ علماء کرام کو مدرسے میں رکھتے وقت سب باتیں ہوتی ہیں، تو وہ سب کو دلچسپی سے سنتے ہیں، مگر جب ذمہ دار کسی مولانا سے یہ کہتا ہے کہ رمضان میں یا فصل پہ چندہ بھی کرنا ہوگا، تو یہ برجستگی سے کہتا ہے کہ حضرت یہ کام تو میں نے کبھی کیا ہی نہیں، حالانکہ مدرّسی بھی پہلی مرتبہ کررہا ہے، پہلی مرتبہ عملی زندگی میں قدم رکھ رہا ہے، بڑی کتاب ملی، سبحان اللہ، اچھی رہائش گاہ ملی الحمدللہ، معقول تنخواہ ملی ماشاءاللہ، اور جب چندے کی بات آئی تو کہتا ہے کہ حضرت یہ کام تو میں نے کبھی کیا نہیں، بھلا اس اللہ کے بندے سے کوئی پوچھے کہ تو ابھی تک جو مدارس میں پڑھ کر آیا ہے، تو چندہ کے

پیسے ہی سے تو پڑھ کر آیا ہے، اور اگر کوئی ایسا بھی ہو کہ اس نے مدرسے میں کھانے کی فیس جمع کی ہو، تو مدرسے کی درس گاہ، درسگاہ کا سامان، مدرسہ کی لائٹ، مدرسے کے اساتذہ کی تنخواہ وہ سب عوام کے چندے ہی سے تو ہے، اگر کوئی چندہ نہیں کرے گا تو مدرسہ کا نظام کیسے چلے گا، جب اس لائن میں لگنا ہے، تو اس لائن کے جو کام ہیں، وہ بھی دین ہی تو ہے، بعض قابل اساتذہ اپنے تعلقات یا بڑوں کی سرپرستی اور سفارش پر یہ طے کرکے مدرس ہوجاتے ہیں کہ میں چندہ نہیں کروں گا، ذمہ دار بعض مصالح کی بنا پر ایسے استاد کو برداشت کرتا ہے اور وہ استاد اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہے، حالانکہ وہ چندہ ہی کے پیسے سے پڑھ کر اس عہدہ کے قابل ہوسکا ہے، تو کیا دوسرے جو چندہ کرتے ہیں وہ سب بدقسمت، بددین یا مردود ہیں، العیاذ باللہ، چندہ کرنا دین کے لیے مسنون ہے، حمیتِ اسلامی اور غیرتِ دینی کا تقاضہ بھی ہے، اور بعض مرتبہ تو ضروری بلکہ بعض حالات میں اگر کہوں تو فرض ہوجاتا ہے۔

اہل مدارس و اساتذہ کو توجہ دینے کی ضرورت

اس سلسلہ میں اہل مدارس اور اساتذہ کرام کو توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری ہے، ان کا دینی ذہن، دینی مزاج اور دین پسند بنانا ضروری ہے، ان کے اندر دینی حمیت کا پیدا کرنا ضروری ہے، اپنے پیٹ کے لیے اپنے بال بچوں کے لیے تو ساری دنیا کما ہی رہی ہے، اگرچہ یہ بھی مذموم نہیں، مگر قوم کے لیے، ملت کے لیے، ملک کے لیے کچھ کرگزرنے کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے، اگر ہمارے ان طلبہ کی، ان فارغ ہونے والے علماء کی تربیت نہیں کی گئی اور یہ غول کے غول یونہی فارغ ہوتے رہے، تو ان کا نرا فارغ ہونا، فکری انارکی کا باعث ہی ہوگا، اللہ مجھے معاف کرے، بات سچی ہے، اس لیے کہ ایسا علم جس کے ساتھ نافعیت نہ ہو، نرا گمراہ

کن ہوسکتا ہے، جو باتیں قلم سے نکلیں ہیں، ایسا نہیں کہ راقم سطوران سے بری ہے، بلکہ وہ بھی اسی طبقہ کا ایک آدمی ہے، وہ سب سے پہلے ان باتوں کو اپنے نفس سے ہی مخاطب کرتا ہے، یہ باتیں بعض احباب کے کہنے سے دل میں آ گئی ہیں، اس لیے لکھ دی ہیں، شاید ہماری جماعت میں سے کوئی کھڑا ہو، اور ان باتوں پر غور وفکر کر کے امت کے لیے کوئی صحیح لائحہ عمل پیش کردے، اور امت اس کو قبول کر کے صحیح راہ اختیار کر لے، جس کا فیض متعدی ہو، اللہ تعالی ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے، بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے، اس کے لیے کوئی مشکل نہیں "وما ذلك على الله بعزيز"۔

مدارس کے قیام وطعام کا نظام

مردوزن کا بے محابہ اختلاط اور مخلوط تعلیم

آج کل ہمارے مقررین، مبلغین، داعی حضرات جب تقریر کرتے ہیں، یا کوئی اصلاحی مجلس قائم کرتے ہیں، یا اخبار یا کسی رسالہ میں مضمون لکھتے ہیں، تو جوش میں مردوزن کے بے محابا اختلاط کو پوری قوت اور تاکید کے ساتھ ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں، اور معاشرے میں اس کے جو بھیانک نتائج آشکارا ہورہے ہیں ان کی طرف اشارے بھی کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جو حادثات اور غلط واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، ان کو بیان بھی کرتے ہیں، اور عملاً ان کی خبریں اخبارات میں آئے دن پڑھنے کو بھی ملتی رہتی ہیں، پھر جو طلبہ وطالبات مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ایسے اسکول وکالج جن کے یہاں Co-Education کا نظم ہے، ان کو بھی ہدف ملامت بنایا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں عوام کو اور طلبہ وطالبات کے وارثین کو واضح ہدایات بھی دی جاتی ہیں اور ان کی خیر خواہی میں ان کو ایسے اسکولوں سے اپنے بچوں کو ہٹانے کی ہمدردانہ اور خیر خواہانہ نصیحت بھی کی جاتی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان چیزوں اور ان باتوں سے معاشرے میں جو بے راہ روی پھیل رہی ہے اور جو غلط باتیں، یا بے شرمی کی چیزیں پنپ رہی ہیں، ان کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، اور ان باتوں کی طرف بے چارے عوام اور ایجوکیٹیڈ، دنیوی تعلیم یافتہ لوگوں کا دھیان تو کم جاتا ہے، وہ تو اپنی جنٹل مینی اور جدت پرستی یا زمانے کی آواز میں آواز ملانے کی وجہ سے اور

’’چلوتم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی‘‘ اس کی بنا پر خیال تک میں بھی یہ بات نہیں لاتے۔

ان باتوں کی طرف علماء کرام، مدارس کے ذمہ داران، مقررین اور مبلغین حضرات ہی توجہ دلاتے ہیں، چونکہ وہی اپنی دوررسی و دوراندیشی اور علم وفہم کی روشنی میں ان کے خطرناک نتائج اور خدشات کو سمجھ سکتے ہیں۔

اکثر مدارس میں طلبہ کا اختلاط

مگر اس وقت حیرت ہوتی ہے جب ان کے گھروں کے اندر- گھر اس معنی میں کہ وہ مدارس کے ذمہ داران ہیں، اور مدارس کے خودمختار اور سیاہ وسفید کے مالک ہیں، اگرچہ بعض جگہ نام نہاد شورائیں بھی ہیں، مگر ان کی حقیقت ہاتھی کے دانت سے زیادہ نہیں- مدارس میں طلبہ ایک ساتھ لیٹتے ہیں، بعض جگہ تو دو دو فٹ جگہ، بعض جگہ تین تین فٹ جگہ طلبہ کو ملتی ہے، اور وہ ایک ساتھ لیٹتے ہیں۔

حدیث میں دس سال کے بچوں کے بستر الگ کرنیکی ہدایت

حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: ’’مُرُوا أَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ‘‘ (۱) کہ جب بچے دس سال کے ہوجائیں تو ان کے بستر الگ کردو، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں کتنا بڑا پیغام ہے، اور کس اعلی اخلاق کی طرف رہنمائی ہے۔

طلبہ کے اس اختلاط کے نقصانات

’’صاحب البیت ادری بما فیہ‘‘ کے پیش نظر اس شکل میں طلبہ میں جو بداخلاقی اور اخلاقی گراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور ذمہ دار کوئی بھی ہو، مگر وہ

---

(۱) سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۴۹۲۔

طلبہ جو اس اختلاط کی بنا پر گھناؤنے جرم اور غیر فطری عمل کے مرتکب ہوجاتے ہیں، بعض کی زندگی تو تہہ وبالا ہوجاتی ہے، اور یہ بات نہیں کہ تمام ہی طلبہ اس سلسلہ میں بے راہ روی اختیار کرکے حد سے تجاوز کرتے ہیں، بلکہ کچھ ہی ہوتے ہیں مگر ان کا اثر بہت سوں پر پڑتا ہے، اور اس اخلاقی گراوٹ کا اگرچہ اعتراف بہت سے حضرات کو ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مہمانان رسول ہیں، ان کی نسبت بہت عالی ہے، فرشتے ان کے لیے پر بچھاتے ہیں، سمندر کی مچھلیاں ان کے لیے دعائیں کرتی ہیں، مگر بے چارے اہل مدارس کیا کریں، طلبہ کی کثرت ہے، اس کا بظاہر ان کو کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا، بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جی سینکڑوں سالوں سے یہی نظام چل رہا ہے، ہمارے اکابرین نے اسی طرح زندگی گزاری ہے، اللہ کے بندو! اکابرین نے روکھی سوکھی کھاکر بھی تو زندگی بسر کی ہے، اس میں کیوں ان کا اتباع نہیں کیا جاتا؟۔

اس مشکل کا حل

پھر آخر اس کا کیا حل ہے؟ حل اس کا یہ ہے کہ مدارس میں بیڈ یا تخت کا استعمال کیا جائے، بہت سے مدارس میں اس کا تجربہ سینکڑوں سالوں سے ہو رہا ہے اور وہاں اخلاقی گراوٹ کم ہے، یہ الگ بات ہے کہ جب فضا خراب ہوتی ہے، اور ماحول میں آلودگی ہوتی ہے، تو اس کا اثر ہر جگہ ہوتا ہے، مگر اس سے بچنے بچانے کی تدابیر تو اختیار کی جاتی ہیں، اور تدابیر اختیار کرنا، اور مسائل کا حل کرنا فطری تقاضہ بھی ہے، اور کسی قوم کے زندہ ہونے کی علامت بھی ہے، اس لیے تمام اہل مدارس کو اس معاملہ میں غور کرنے کی اور سوچنے کی ضرورت ہے کہ آیا کمروں میں اختلاط کے ساتھ نوجوان طلبہ کا لیٹنا، یا چھوٹے بڑے طلبہ کا ایک ساتھ لیٹنا اچھا ہے، یا الگ الگ تخت پر لیٹنا اچھا ہے، اس معاملہ کو قطع نظر کسی مصلحت، قطع نظر اکابر کے طرز عمل، قطع نظر ہمارے

بڑے مدارس کے طرز کے سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے، کہ آیا الگ لیٹنا عین اسلامی طریقہ ہے، یا ایک ساتھ لیٹنا اسلامی طریقہ ہے، ہر ایک مدرسے کے معتمد اور ذمہ دار کو-ضد اور ہٹ دھرمی سے ہٹ کر- سنجیدگی اور غیرت ایمانی سے سوچنے کی ضرورت ہے، اور اسلامی مطالبہ کو ذہن میں رکھنا ہے۔

بعض اہل مدارس کا کمزور عذر

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جی ہمارے یہاں طلبہ زیادہ ہیں، جگہ تھوڑی ہے، کمرے کم ہیں، تختوں کے لیے زیادہ کمروں کی ضرورت ہے، تو ہم نہیں کہتے کہ طلبہ کم کریں، لیکن اس پہلو پر اس طرح غور تو کر ہی سکتے ہیں کہ جب وسائل کی کثرت ہے اور بالیقین ہے، جتنا خرچ پورا مدرسہ بنانے میں ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ عالیشان مسجد بنانے میں، مسجد کی تزئین کرنے میں، پتھر لگانے میں ہو جاتا ہے، یا زیادہ نہ سہی بلکہ برابر یا تھوڑا کم تو ہو ہی جاتا ہے، تو کیا کچھ زیادہ کمرے بنا کے، کچھ تخت نہیں بنا سکتے، واللہ! یہ کوئی طنز و تحقیر اور کسی عجب و بڑائی کی بات نہیں بلکہ دل کی کڑھن کی بات ہے۔

قوم ہر وقت تعاون کرتی ہے

جب قوم تعاون کرتی ہے، تو اس مد میں بھی ان سے تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ مدارس کا وجود، مدارس کا قیام یہ قوم کے طلبہ کے اخلاقیات کو درست کرنے کے لیے اور اخلاقیات کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے ہے، جب اخلاقیات کو درست کرنا ہے تو اخلاقیات کے اس شعبہ کی طرف دھیان کیوں نہیں جاتا؟ اور اگر کہیں یہ نظام ممکن نہ ہو، کہیں بھی ہندوستان میں نہ چل رہا ہو تو عذر معقول ہو سکتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ بہت سے مدارس میں یہ نظام چل رہا ہے، اور طلبہ کے لیے تخت کا انتظام کیا جا رہا ہے، خود راقم کے یہاں بھی تخت کا نظم ہے، اور تختوں کے لیے مستقل ایک

مخیّر سے رقم حاصل کی ہے، تو سب کو اس سلسلہ میں سوچنے کی ضرورت ہے، سب کے سر تھوپنے والی بات نہیں ہے، بلکہ ہر ایک کو اپنے تئیں اپنے مدرسے کے تئیں اور اپنے عزیز طلبہ کے تئیں غور کرنے کی ضرورت ہے، یہ نہ دیکھیں کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ بات معقول ہے یا غیر معقول، اس کے تناظر میں سوچنا ہے۔

مدارس میں کھانے کی تقسیم کا مروجہ طریقہ

مدارس میں اخلاقیات کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک اہم بات اور عرض کرنی ہے کہ بہت سی جگہ کیا بلکہ اکثر جگہ جو کھانا تقسیم ہوتا ہے تو طلبہ کی لائن لگتی ہے اور پھر طلبہ ایک ہاتھ میں روٹی، دوسرے ہاتھ میں سالن یا دال کا برتن اٹھائے ہوئے دوڑتے ہوئے جاتے ہیں، اگر کسی طالب علم نے لنگی پہن رکھی ہے اور وہ کھل جائے تو کیا حشر ہوگا؟ لیکن چلو ہم مانتے ہیں کہ اس کے پاس پائجامہ ہے، تو کیا یہ بھی اسلامی طریقہ ہے کہ وہ ایک ہاتھ میں دو روٹی لٹکائے جانور کی طرح اور سالن لئے جا رہا ہے-معذرت کے ساتھ، الفاظ بھونڈے ہیں، مگر آپ دیکھئے کہ کیسا لگتا ہے- بہت سے اس کو بھی یہی کہیں گے کہ صاحب! سینکڑوں سالوں سے یہی طریقہ رائج ہے، بڑے بڑے اکابر اسی طرح سے بنے ہیں، ہم مانتے ہیں اس طرح سے اکابر کا بننا، مگر یہ حجت تو نہیں ہو سکتا، ہمیں اسلامی تعلیم دیکھنی ہے۔

صحیح طریقہ

اگر وہ روٹی کو دسترخوان یا کپڑے میں لپیٹ کر لے جائے اور سالن کو ڈھک کر لے جائے تو کتنا اچھا ہے، کیا یہ تہذیب نہیں ہے، ہمیں تو اخلاقیات کی بھی تعلیم دینی ہے اور تہذیب بھی سکھانی ہے، ہم رات دن مغربی تہذیب کی تو بکھیاں ادھیڑتے ہیں، مگر اپنی تہذیب کی پاسداری نہیں، اس لیے اس کا بہتر طریقہ آج کے زمانہ میں ناشتہ دان، یا

ٹفن دان ہوسکتا ہے کہ اس کے ایک ڈبے میں سالن دوسرے میں روٹی رکھ کر اچھے انداز میں پردے کے ساتھ کمرے تک لے جایا جاسکتا ہے۔

کھانا کھلانے کا دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی ہال میں تمام طلبہ کو بٹھا کر کھلا دیا جائے، اس میں کھانے کی بے ادبی بھی کم ہوتی ہے، اور اسلامی طریقہ بھی ہے کہ سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھاسکتے ہیں، اگرچہ یہ طریقہ بہت سی جگہ رائج ہوکر بند ہوگیا ہے، مگر جہاں کہیں بھی ہے، اچھا ہے، لیکن اگر یہ اپنے مدرسہ کے حالات کے لحاظ سے موزوں نہ ہو تو ناشتہ دان والا یا پھر کم سے کم دسترخوان اور کپڑے والا طریقہ تو ہونا ہی چاہیے، جانوروں والا پہلا طریقہ اچھا نہیں ہے، یہ الفاظ تو بظاہر برے لگ رہے ہوں گے مگر اس کے علاوہ کہا بھی کیا جائے؟ سمجھانے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے، قرآن کریم میں کہیں کتے، کہیں گدھے، کہیں جانور جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو اس لیے اس سلسلہ میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، بعض حضرات اگرچہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جی دماغ کا کیڑا تو دراصل اسی طرح نکلتا ہے، یعنی مدرسہ عالیشان، کمرے عالیشان، مسجد اور مسجد کے مینارے عالیشان، فرش عالیشان، کپڑے اور رہائش عالیشان، صرف دماغ کا کیڑا ہاتھ میں روٹی لیکر اور دال لے کر ہی نکل سکتا ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

طلبہ کی عادت

ہمیں تجربہ ہے کہ ہمارے یہاں فضلا کا ایک اختصاص کا کورس ہے، تو بعض مرتبہ ان فضلاء کو ان کی بے اصولی اور بدعنوانی پر ہدایت کی جاتی ہے، روک ٹوک کی جاتی ہے اور ان کی گرفت کی جاتی ہے، تو بعض مرتبہ جو ان کے پڑھانے والے استاد ہیں، وہ

کہتے ہیں کہ یہ بھی فضلا ہیں، علماء ہیں، کم سے کم ان کا تو خیال رکھنا چاہیے، ان کا احترام کرنا چاہیے، میں عرض کرتا ہوں کہ بھاڑ میں جائیں ایسے علماء اور فضلا جو اصول کا خیال نہ رکھتے ہوں، یہی علماء اور فضلا جب کھانا لیتے ہیں تو ہاتھوں میں روٹی اسی طرح لے جاتے ہیں جس طرح گذشتہ آٹھ دس سال سے عادت ہے، مجھے بتلاتے بتلاتے شرمندگی ہونے لگی، کیا کہا جائے علماء امت اور فضلائے امت کو، جو کل قیادت کرنے والے ہیں، وہ ایک بھی ماننے کو تیار نہیں ہے اور ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے ہیں۔

اچھی چیز کو اختیار کرنے
اور بری چیز کو چھوڑنے کا اصول اپنانا چاہیے

بس "اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ" اللہ ہی کو اپنا درد وغم سناتا ہوں اور امت کے سنجیدہ علماء، سنجیدہ افراد اور مفکرین کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ کچھ سوچیں، کب تک اس پرانی روش اور ڈگر پر چلتے رہیں گے، جن چیزوں میں پرانی ڈگر پر چلنے کی ضرورت ہے، ان کو تو پس پشت ڈالا ہوا ہے اور جہاں صحیح بات بتلانے کی اور اختیار کرنے کی ضرورت ہے، وہاں کہہ رہے ہیں کہ پرانا طریقہ ہی ٹھیک ہے، پرانا طریقہ وہ تو صحیح ہے جس پر صحابہ نے زندگی گزاری، اسلاف نے زندگی گزاری؛ لیکن جن چیزوں میں اللہ نے جدت اور بدعت حسنہ کے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، وہاں انتظامی طور پر صحیح چیزوں کو "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرْ" کے پیش نظر لیا جاسکتا ہے، ان کو اختیار کرنے میں کیا قباحت ہے؟ اللہ ہی ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور صحیح لائحہ عمل تیار کرکے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

مدارس کا نظام مالیات وحصول زر

مدارس کو چلانے کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے

دراصل کسی بھی تحریک، انجمن اور ادارے کے کاروبار کا انحصار بظاہر مادی وسائل پر ہوتا ہے، چونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس لیے یہاں سبب اختیار کرنا عین منشاء الٰہی ہے، مدارس دینیہ جہاں مہمانانِ رسول، طلبہ کرام دینی تعلیم وتربیت حاصل کرتے ہیں، وہاں خرچ ضرور ہوتا ہے، طلبہ چاہے بیرونی ہوں یا مقامی، پہلے تو تعمیر ہی میں ایک خطیر رقم خرچ ہوتی ہے، کیونکہ وہ مستقل ایک ضرورت ہے، تعمیر نہ بھی ہو، صرف پھونس کا چھپر ڈالا جائے، یا ٹین شیڈ ڈالا جائے، تب بھی خرچ ہے، درخت کے نیچے بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے کا اب دور رہا نہیں ہے، دوسرا صرفہ اساتذہ وملازمین کی تنخواہوں کے سلسلہ میں ہوتا ہے، اس میں بھی طلبہ کا بیرونی ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ جس قدر بھی طلبہ ہوں گے، ان کو پڑھانے کے لیے اساتذہ کی ضرورت پڑے گی، اور اساتذہ کو یا جو پڑھنے پڑھانے سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کو اپنے بچوں کے خرچ کے لیے تنخواہ کی اور پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے بالجملہ مدارس کو چلانے کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں۔

یہ زمانہ تنافس اور کمپیٹیشن کا ہے

جب یہ بات ثابت ہوگئی اور اس ضرورت کا عملاً پورا ہونا ضروری ثابت ہوا، تو لامحالہ

اس کے لیے مدارس کے ذمہ داران، اساتذہ کرام اور سفراء حضرات کو تگ ودو اور بھاگ دوڑ کرنے کی شدید ضرورت ہے، اور چونکہ یہ زمانہ تنافس اور کمپیٹیشن کا ہے، اس لیے اس میں تو ہر آدمی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور آگے بڑھنے کی کوشش ہی نہیں بلکہ جان توڑ جدوجہد کرتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ کو اختیار کرتا ہے، اس لیے کہ حرکت میں برکت ہے، جو جتنی محنت کرلے گا اور جو جتنی کوشش کرلے گا اس کے مدرسے کی اتنی ہی زیادہ آمد ہوگی اور اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

حصول زر کے لیے اہل مدارس وسفراء کے اسفار

لہٰذا اس سلسلہ میں مدارس کے ذمہ داران رمضان سے قبل یا کسی بھی موسم میں جب مدرسہ میں سرمایہ کی ضرورت اور وسائل کی کمی محسوس ہوتی ہے، تو اساتذہ کرام اور سفراء حضرات کے لیے ملک کے مختلف مشہور شہروں میں جانے کے لیے ان کے سفر کا پروگرام بنانا پڑتا ہے، تاکہ وہ متبرعین، مخیّرین، مخلصین تجار حضرات سے مل کر، ان کو اپنا پیغام اور اپنے مدرسہ کی ضرورت بتلا کر زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرسکیں، ویسے اس وقت بیرونی اسفار کی سہولت کی بنا پر اکثر مدارس کے ذمہ داران باہر کے اسفار کرتے ہیں اور وہاں مدارس کے لیے حصول زر کا بندوبست کرتے ہیں، اس میں کافی حد تک کامیابی ہوتی ہے۔

اکثر سفراء کی بے راہ روی

لیکن حصول زر کے سلسلہ میں خواہ وہ اندرون ملک ہوں، یا بیرون ملک، اور خواہ محصلین خود ذمہ داران مدارس ہوں یا مدارس کے سفراء اور علماء کرام، سب تو نہیں؛ لیکن اکثر ایسی بے راہ روی اختیار کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو ان سے شرم آنے لگتی ہے، بلکہ بعض مرتبہ تاجر مخیّر خود شرم وعار محسوس کرتا ہے، بے راہ روی کیا کرتے ہیں، ایک تو

جس تاجر کے پاس جاتے ہیں، اس کے سامنے جھوٹ طوفان اور زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہیں اوراس سے زیادہ سے زیادہ چندہ حاصل کرنے کی یا یہ کہئے کہ اس کوزیادہ سے زیادہ ٹھگنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لفظ اس لیے استعمال کئے جارہے ہیں کہ اس کی بے جا چاپلوسی کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے سامنے آنسو نکالے جاتے ہیں اور بعض جگہ کے حضرات تو اپنے علاقہ کو سنامی لہروں کا شکار بنا کر یا فرضی سیلاب میں ڈبو کر یا کوئی دوسرا خدائی عذاب بتلا کر اور اپنی تنظیم یا ادارے کی طرف سے ریلیف اور مدد کا بہانہ بنا کر زیادہ سے زیادہ رقم اینٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ جو عالم یا سفیر جتنی زیادہ سے زیادہ باتیں بناتا ہے، الاپیں ہانکتا ہے، اس کی دوکان پر سحر اور اس کی ذات کو آسیب زدہ بتا کر، اسی طرح دشمنوں کی طرف سے کبھی کاروبار میں رکاوٹ اور اس کے اندیشہ سے خائف کر دیتا ہے، پھر اس کو تعویذ بھی دیدیتا ہے، اس کے کاروبار کے لیے بظاہر گاڑھی دعا بھی کرتا ہے، وہ تو نہال ہو ہی جاتا ہے، اور اس کو خوب نوازا جاتا ہے، کھانے پر اس کو دعوت بھی دی جاتی ہے، تاجر بھی چونکہ ان سفراء کے تمام حربوں سے واقف ہو جاتا ہے، اس لیے وہ بھی جلدی سے کسی ہلکے پھلکے کھلاڑی کے چکر میں نہیں آتا، یا بعض مرتبہ کسی سچے آدمی کے چکر میں نہیں آتا، بلکہ جو زیادہ بڑا افراڈی ہوگا، وہی اس کو اپنے شکنجے میں کس سکے گا، مگر بعض تجار بھی اللہ تعالی نے اہل بصیرت پیدا فرمائے ہیں کہ وہ آدمی کے چہرے سے ہی نہیں بلکہ اس کی دکان یا آفیس پر اس سفیر کے پہلے قدم سے ہی پرکھ لیتے ہیں کہ یہ آدمی صحیح ہے یا فراڈی ہے، یہ آدمی سچا ہے، یا جھوٹا ہے، پھر اسی کے مطابق اس کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔

علماء سفراء کا آپس میں رویہ

آپس میں سفراء کرام وعلماء عظام کی جانب سے ایک بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ

جب ایک ادارے کا آدمی ایک تاجر کے پاس جاتا ہے اور وہ تاجر اس کو اچھی رقم دیدیتا ہے، بعد میں دوسرے سفیر کو جب معلوم ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کو اس تاجر نے اتنی بڑی رقم دی ہے، تو یہ آدمی اس سفیر کو ہر ممکن فراڈی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا مدرسہ بھی چھوٹا ہے، طلبہ باہر کے بالکل نہیں ہیں، خرچہ بھی معمولی ہے، فلاں فلاں جگہ سے اس کو اتنی اتنی رقم مل جاتی ہے، غرضیکہ اس کی خوب بکھیا ادھیڑ کے رکھ دیتا ہے، اور جب خود کمرے سے کام کے لیے یہ نکلتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ خود اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو، اگر کوئی معلوم کر لیتا ہے کہ بھائی فلاں تاجر اس نام کا کہاں ہے؟ تو اس کے بتلانے میں بھی بخل کرتا ہے، ایک اچھے خاصے عالم سے کلکتہ شہر میں ایک صاحب نے معلوم کر لیا کہ جی حضرت! وہ سکندر صاحب کدھر ہیں؟ تو انہوں نے خوبصورت انداز میں ہاتھ ہلا کر ٹالتے ہوئے کہہ دیا کہ اجی یہاں تو سارے ہی سکندر ہیں۔

اہل مدارس کا آپس میں رویہ

اگر کوئی مخیّر کسی بستی میں کسی مدرسے میں آجائے اور پوچھے کہ بھائی اور بھی کوئی مدرسہ یہاں ہے؟ تو وہ مدرسہ والا کہتا ہے کہ جی نہیں بیس تیس کلومیٹر یا بیس تیس گاؤں میں اکیلا یہی مرکزی ادارہ ہے، پھر اگر اس مخیّر تاجر کو کسی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں تو اور بھی مدارس اور مکاتب ہیں، تو وہ کہتا ہے کہ جی اصل تو اور پرانا تو یہی ہے وہ تو ابھی نئے ہی ہیں، یا پھر کہتا ہے کہ جی اس لئے نہیں بتایا کہ آپ وہاں کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہوتے۔

تجار کا رویہ

بعض جگہ تاجروں نے اچھی رقمیں دیں، لیکن جب موقع پر آکر دیکھا تو وہاں دیکھے وہی ''ڈھاک کے تین پات''، جس پر تجار کو بہت بدظنی ہوئی، اب ایسے حالات ہوگئے

ہیں کہ تاجر زیادہ بات سننا پسند نہیں کرتا، بس وہ یہ سمجھ کر کہ یہ آدمی میری دکان پر، میرے آفس پر یا میری کمپنی پر آیا ہے، تو خالی ہاتھ نہ جائے، اس لیے کچھ نہ کچھ للہ (امداد) کی مد میں اس کو دیدیتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ چاہے یہ خود کھالے یا مدرسے میں جا کر دیدے، بلکہ بعض مرتبہ اگر کسی تاجر سے زیادہ کی مانگ کی جاتی ہے تو وہ دھتکار دیتا ہے، اور بعض نالائق تو جو دیا اس کو بھی واپس لے لیتا ہے، ان تمام باتوں کے باوجود پھر بھی اللہ تعالی کے کچھ بندے ایسے ہیں، جن کے تعاون سے مدارس اسلامیہ چل رہے ہیں، وہ دل کھول کر اہل مدارس کی مدد کر رہے ہیں، اپنی سعادت سمجھ رہے ہیں، اور اپنی آخرت کے لیے زادراہ تصور کر کے اپنے بزنس وتجارت کو بڑھا رہے ہیں۔

چندہ کا کام بہت مشکل ہے

چونکہ چندہ کا یہ عمل انتہائی کٹھن اور مشکل کام ہے، دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں، ہر طرح کے لوگوں کی سننی پڑتی ہے، ان کے پاس کئی کئی چکر لگانے پڑتے ہیں، اس لیے بعض کیا بلکہ اکثر مدارس نے انعام متعین کر رکھا ہے کہ مثلاً جو بھی سفیر اتنا لائے گا تو اس کو اتنی آمد پر اتنا انعام دیا جائے گا، چونکہ سفراء کرام جو محنت اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں، اس سے مدرسے کا بھی زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور سفراء کا بھی۔

زکوۃ میں اصل تملیک ہے

بہر حال جس شکل میں بھی مدرسہ میں چندہ آیا ہے، چاہے اس کو سفراء لائے ہیں، یا خود ذمہ دار لایا ہے، اس لانے والے کی حیثیت وکیل کی ہے، اور یہ معلوم ہی ہے کہ لوگ چندہ زیادہ تر زکوۃ کا ہی دیتے ہیں- اگر چہ بہت سے امداد کی مد میں بھی دیتے ہیں، مگر وہ دینے والے کے حساب سے لگایا جاتا ہے- لیکن زکوۃ میں اصل تملیک ہے، یعنی جب تک وکیل صاحب اصل مستحق کو وہ زکوۃ دیکر مالک نہیں بنائیں گے، زکوۃ

ادا نہیں ہوگی، اسی لیے بعض مدارس میں کیا بلکہ اکثر مدارس میں حیلہ تملیک کیا جاتا ہے، یا یہ کہ اس رقم کا غلہ وغیرہ خرید کر کھانا بنا کر طلبہ کو دیدیا جاتا ہے، جیسا کہ عام دستور ہے، تو وہ مالک بن جاتے ہیں، اس سے بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

تملیک کے بعد ذمہ دار اپنی صوابدید سے خرچ کرتا ہے

لیکن آج کل تملیک کے بعد مدرسے کے مہتمم صاحب یا ذمہ دار اس زکوۃ کی رقم کو جس کی وہ تملیک کر چکا ہے، اکثر جگہ- بعض جگہوں کو چھوڑ کر- اپنی تحویل میں رکھتا ہے، اور اپنے حساب اور اپنی صواب دید سے خرچ کرتا ہے، اگر چہ وہ برا نہیں کر رہا ہے کیونکہ مدرسہ کی ضروریات سے وہی زیادہ واقف ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ زیادہ تر پیسہ تعمیرات میں خرچ ہوتا ہے، مثلاً کمروں کی تعمیر، مدرسہ کے گیٹ کی عالیشان تعمیر، مہمان خانہ کی تعمیر، مسجد کی عظیم الشان تعمیر وغیرہ میں زیادہ لگتا ہے، اور طلبہ کی تعلیم پر، ان کے کھانے کی سہولیات پر کم خرچ ہوتا ہے، آمدنی کے زیادہ ہونے کے باوجود بھی اساتذہ کی تنخواہیں معمولی ہوتی ہیں، حالانکہ یہ پیسہ زیادہ طلبہ کی تعلیم وتربیت پر، قیام وطعام پر، اور اساتذہ کی تنخواہوں وغیرہ میں زیادہ لگنا چاہئے؛ لیکن بہت سی جگہوں پر تعمیرات کے مد میں زیادہ پیسہ آتا ہے، ان کے یہاں تعمیر بھی اچھی ہوتی ہے، اور تعلیم بھی اچھی ہوتی ہے، ایسے مدارس والے ان باتوں سے مستثنیٰ ہیں۔

طلبہ اور ان کے وارثین کے دلوں سے زکوۃ کھانے کی شناعت نکل گئی ہے

پھر مدرسہ میں طلبہ بھی ہر طرح کے ہوتے ہیں، غریب بھی ہوتے ہیں، امیر بھی، وہ بھی ہوتے ہیں جو زکوۃ کے مستحق ہیں اور وہ بھی جو زکوۃ کے مستحق نہیں ہیں، تو اگر چہ عمل

تملیک سے اس کو اس قابل بنالیا جاتا ہے کہ سب استعمال کر سکتے ہیں، مگر قوم اور طلبہ کے وارثین کے دلوں سے اس کی شناعت نکل گئی ہے کہ آیا وہ اپنے بچے کو زکوۃ کا مال کھلائے، یا نہیں؟ چونکہ سب کا کام اسی طرح چل رہا ہے، اب اگرچہ وہ پچاس بیگہ زمین کا مالک ہے؛ لیکن اس کو کسی نے مسئلہ بتلایا نہیں ہے، اس کی شناعت اور خرابی کا اس کو علم نہیں، اس لیے اس کے والد یہی کہتے ہیں کہ جی اس کو تو یونہی داخل کرلو، اللہ نے تو مدرسہ میں بہت دے رکھا ہے، وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جو یہ مدرسہ میں دیا ہوا ہے یہ زکوۃ وصدقہ ہے۔

ایسے حالات میں کہاں طلبہ میں روحانیت اور نور پیدا ہوگا

اب بتلائیے، غیر مستحق طلبہ زکوۃ وصدقہ کھا کر پڑھیں گے، تو کہاں ان میں علمی گیرائی وگہرائی اور کہاں نور پیدا ہوگا، اور کہاں قوم کے لیے کچھ کر گذرنے کا جذبہ ہوگا، اس لیے حالات بہت نازک ہیں، ان حالات میں مدارس کے نظام مالیات اور حصول زر کے ہر پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح سے زکوۃ، صدقہ اور امدادی پیسے کو جمع کیا جائے، اور پھر کیسے اس کا صحیح مصرف میں صحیح استعمال کیا جائے، اس میں آزادی نہیں؛ مال جمع کرنے والے اور خرچ کرنے والے سے بھی سوال ہوگا، بلکہ حدیث کے پیش نظر کل قیامت کے دن چندہ حاصل کرنے والوں سے بھی سوال کیا جائے گا اور خرچ کرنے والوں سے بھی، کہ کہاں سے کمایا اور کیسے خرچ کیا؟ اس لیے بہت ڈرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالی ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

اس وقت کسی مجدد کی ضرورت

اور اس وقت منجانب اللہ کوئی مجدد کھڑا ہو، جو مدارس کے نظام تعلیم وتربیت، قیام وطعام اور مالیات وحصول زر کے سلسلہ میں بلکہ مدارس اسلامیہ کے جملہ نظام- اگر اللہ

تعالی کے یہاں یہ نظام پسندیدہ اور مدارس کا یہ عمل صحیح ہے- کے ساتھ ساتھ امت کی اور امت کے علماء کی، امت کے معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اور جو بے دینی، وبے راہ روی کی باتیں پنپ رہی ہیں، ان کو صحیح کردے، اور امت کو صحیح ڈگر پر لگا کر اس کے دین کی، اس کے ایمان کی، اس کے اعمال کی اور پرانی ڈگر پر چلنے والی زندگی کے غلط رخ کی تجدید کردے، بس اللہ ہر چیز پر قادر ہے: وھو نعم المولی ونعم النصیر۔

مدارس میں فری تعلیم اور فیس کا نظام

مدارس کی بظاہر کثرت اور اس کے نتائج

اہل مدارس خوب جانتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں مدارس کی کثرت کی وجہ سے مدارس کا چلانا، ان کا انتظام کرنا اور عوام سے چندہ حاصل کرنا، کس قدر دشوار ہو گیا ہے، اور بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ جو ناکارہ اور کسی کام کے نہیں ہوتے اور ان سے اپنی روزی روٹی کے لیے کوئی دوسرا کام بھی نہیں ہوتا، پھر وہ مدارس اسلامیہ سے مستقل فارغ، سند یافتہ یا علماء ربانیین کی صحبت یافتہ بھی نہیں ہوتے، بعض ان میں اپنی ذاتی جگہوں پر، ذاتی مکانوں پر، بعض کرائے کے مکانوں پر یا زمین خرید کر مدارس بنانے کی یا مدارس کے نام پر اپنی روزی روٹی کا مسئلہ حل کرنے کی یا اپنا حقہ، اپنی مروڑ اور اپنے اقتدار کو قائم کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور پھر چندہ کے حصول کے لیے بہت سی بدعنوانیاں کرتے ہیں، جن کی بنیاد پر بہت سے عوام اور تاجر حضرات مدارس سے بدظن ہو گئے اور علماء کرام کو بھی بھکاری سمجھنے لگے ہیں، اس طرح صحیح لوگوں کے لیے بھی بہت سی دشواریاں ہونے لگی ہیں۔

بہت سے اہل مدارس کیلئے مدارس کا نظام چلانا مشکل نہیں

اگرچہ بہت سے اہل مدارس کے لیے بیرون ہند کے اسفار کی وجہ سے مدارس کا نظام چلانا کوئی مشکل اور دشوار نہیں رہا، حالانکہ بیرونی چندہ پر دارومدار رکھنا عقلمندی کے

خلاف ہے، مگر جب تک چل رہا ہے، تو واقعی کوئی دقت نہیں؛ لیکن ہمیں ملکی پیمانے پر سوچ کر چلنا ہے، ملکی پیمانے پر بھی اگرچہ بڑے مدارس اور بعض مشہور متوسط مدارس کے لیے یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے؛ اصل مسئلہ چھوٹے مدارس اور ابتدائی مدارس کا ہے۔

چندہ کے سیزن میں سب کے لیے مشکل ہے

لیکن جب مشہور شہروں میں رمضان یا چندہ کے سیزن پر علماء کرام اور سفراء حضرات کو در بدر دھکے کھاتے، بھٹکتے اور پریشان حال دیکھا جاتا ہے، تو سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا بھی برا حال ہے، عزت نفس ان کی بھی ختم ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان بڑے مدارس کے سفراء کو بڑی بڑی رقمیں مل جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کو یہ پریشانیاں دشوار معلوم نہیں ہوتیں، یا جو عام مدارس کے سفراء ہیں، ان کو انعام کی زیادتی اور بڑھوتری کی خوشی ان تکالیف کو تکلیف نہیں محسوس ہونے دیتی، مگر سچی بات ہے کہ نانی، دادی سب کو یاد آجاتی ہے۔

سفراء کے لیے رمضان میں عبادت مشکل کام ہے

دینی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو بہت سے بیچارے روزے بھی نہیں رکھتے، نمازوں کا بھی برا حال ہے، مگر مجبوراً نمازیں مسجد میں ہونے کی وجہ سے پڑھ لی جاتی ہیں، تراویح میں تو بعض جگہ خود دیکھا ہے، سب لوگ تراویح میں مشغول ہوتے ہیں سوائے علماء کرام اور سفراء حضرات کے کہ وہ خال خال نظر آتے ہیں، یہ تو عبادت کا مسئلہ ہوا۔

رمضان کے علاوہ اگر چندہ کا عمل ہو

اس لیے اگر تجار حضرات چندہ کا یہ عمل رمضان کے علاوہ شعبان یا شوال میں شروع کر دیں، تو یہ بے راہ روی دور ہو سکتی ہے، اور سب علماء کرام، سفراء حضرات رمضان کی

حلاوت، ذکرو تلاوت کا لطف اور اپنے رب کی عبادت کا مزا حاصل کرسکتے ہیں، اور تجار کی نیت صحیح ہو تو وہی ثواب ان کو دوسرے وقت میں بھی مل سکتا ہے۔

سفراء کے اخلاق

اخلاقیات کا مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے، جب یہ علماء کرام اور سفراء حضرات کسی کمپنی کے سامنے یا جہاں چندہ ملتا ہے، وہاں لائن میں لگے ہوتے ہیں، وہاں جس بداخلاقی کا مظاہرہ ہوتا ہے، اس کو اگر اسکول وکالج کے اسٹوڈینٹ دیکھ لیں تو وہ بھی شرما جائیں، پھر جس سے چندہ لیتے ہیں وہاں کس طرح اپنے آپ کو ذلیل کرتے ہیں اور کس قدر جھوٹ بولا جاتا ہے اور زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف جوزہر اگلا جاتا ہے، دوسرے کو فراڈی، دھوکہ باز اور جعل ساز بنانے کی پوری جدوجہد کی جاتی ہے، اس پر ہر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے، یہ سب دیکھ کر ایک سنجیدہ انسان ششدر رہ جاتا ہے، اور جہاں پرانا چندہ نہیں ہوتا، وہاں جھوٹا ثنی تیار کرنا پڑتا ہے، بعض جگہ ڈبل بھی ہاتھ مارلیا جاتا ہے، اور بعض جگہ جہاں ٹھہرنے کا مشترک نظام ہوتا ہے، وہاں تو بداخلاقی کی بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں، یہاں تک کہ بعض جگہ توٹی، وی اور گندی فلمیں تک دیکھی جاتی ہیں، جس سے ایک عام صحیح آدمی کا سر بھی شرمسار ہو جاتا ہے، یہ تو ان سفراء کرام اور علماء عظام کا حال ہے، جو مدارس کی گاڑی کے مادی انجن کے لیے ایندھن جمع کرتے ہیں۔

چندہ دینے والوں کی بدتمیزی

اور جو چندہ دینے والے ہیں وہ یہ طوفان بدتمیزی کھڑا کرتے ہیں کہ کئی کئی چکر کٹواتے ہیں، پھر تقریر کرتے ہیں، جھوٹے سچے واقعات سناتے ہیں، سفراء کو فراڈی اور بے ایمان ثابت کرتے ہیں، پوری رام کہانی سنا کر تب کہیں پچاس سو کی رسید

کٹواتے ہیں، ہاں جو سفیر زیادہ بات فروش ہو، زیادہ آندھی طوفان والا ہو، بات بنانے میں، زبان چلانے میں نمبرون ہو، اس کے چکر میں آکر اس کو بڑی رقم دیدیتے ہیں، وہ زبان دراز اس رقم کا جو کرتا ہے اس کا خدا جانتا ہے، بہرحال سارے بزنس مین اور تجار حضرات بھی سو فیصد صحیح نہیں کماتے، اس لیے ان کا مال بھی سب حلال نہیں ہوتا، پھر اسی گندے مال سے یہ تجار زکوۃ وصدقہ دیتے ہیں اور زکوۃ وصدقہ ایک تو ویسے ہی مال کا گند ہے، پھر گندے طریقے سے وہ تقسیم ہوتا ہے، گندے طریقے سے اس کو حاصل کیا جاتا ہے، پھر وہ گندا مال مدرسے میں آتا ہے، اساتذہ کی تنخواہیں اس سے دی جاتی ہیں، طلبہ کرام، مہمانان رسول اس کو کھاتے ہیں، مدرسے کی جملہ ضروریات اس گندے مال سے پوری کی جاتی ہیں۔

گندے مال کو کھانے کے نتائج

پھر اس گندے مال کو کھا کر جو علماء فارغ ہوتے ہیں، جو حفاظ پیدا ہوتے ہیں، جو قراء نکلتے ہیں وہ کیا کرتے ہیں؟؟؟ ان میں سے اکثر میں نہ تو علمی صلاحیت ہوتی ہے، نہ عمل کا ویسا جذبہ، نہ قوم کی خدمت کی فکر ہوتی ہے، نہ ملک وملت کے مسائل سے دلچسپی، نفس پرستی ان کا شیوہ، جھگڑا فساد ان کا مزاج، تعلّی اور فخر وغرور ان کا وطیرہ، آپس میں ایک دوسرے، ہم مرتبہ وہم پیشہ سے چپقلش ورنجش اور گندی سیاست کا سہارا، وہ اپنے مفاد، اپنی کرسی اور اپنے عہدے کے چکر میں اخلاقیات کے تمام حدود پار کرکے گھٹیا سے گھٹیا حرکت کرنے میں بھی گریز نہیں کرتے، اس طرح کے حالات میں ان کی زندگی کی صبح وشام پوری ہو جاتی ہے۔

اس وقت زمانے کو کیسے لوگوں کی ضرورت ہے؟

آج زندگی کو ضرورت ہے کام کرنے والے افراد کی، وطن کو ضرورت ہے اعلیٰ

کردار واعلی اقدار واخلاق کے حامل لوگوں کی، بیمار انسانیت کو ضرورت ہے درد مند مسیحا کی، انسانیت کی ڈانواڈول کشتی کو ضرورت ہے ایک اچھے باصلاحیت امین وقوی ناخدا کی، جھلستی ہوئی انسانیت کو ضرورت ہے اچھے مرہم پٹی کے واقف کار حاذق طبیب کی، جہالت کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ضرورت ہے روشن ضمیر، اہل حق علماء کرام اور اچھے رہنماؤں کی، اور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی دنیا کو ضرورت ہے اچھی مشعل اور قندیل راہب کی، اور ضلالت وگمراہی کی سرزمین پر ضرورت ہے مینارۂ نور اور ناشر رشد وہدایت کی۔

بعض اہل مدارس کے افکار ونظریات

اس لیے ارباب مدارس سنجیدگی سے غور کریں، آپ اظہار کریں یا نہ کریں، مگر کچھ لمحے اس مسئلہ پر سوچئے کہ کیا اس کا کوئی حل ہے؟ اگرچہ بہت سے لوگ کہیں گے کہ صاحب! اس کا کوئی حل نہیں، جس طرح کام چل رہا ہے، ٹھیک ہے، نہ ہونے سے جو بھی ہو رہا ہے، بہتر ہے، بعض کہیں گے کہ یہ باتیں تو مدارس کے سلسلہ میں آتی رہتی ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، بعض کہیں گے تو کیا صاحب، ان مدارس کو بند کردیا جائے؟ ان پر تالا لگا دیا جائے؟ بعض بڑے مدارس کے ذمہ دار کہیں گے، نہیں کوئی مسئلہ نہیں، ہمیں تو کوئی دقت نہیں، الحمدللہ ہمارے یہاں اچھے علماء ہیں، ہزاروں طلبہ پڑھتے ہیں، اخلاقیات کا درس دیا جاتا ہے، مالیات میں بھی کوئی دقت نہیں، چندہ بھی خوب آرہا ہے، لہٰذا سب ٹھیک ہے، یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں آئیں گی۔

فیس کا نظام اور اس کے فوائد

مگر بعض پراگندہ حال، پراگندہ بال، مجذوب ٹائپ کے لوگ جن کی نگاہیں ماضی پر بھی ہیں، حال پر بھی ہیں، مستقبل پر بھی ہیں، وہ قوموں کی تاریخ سے بھی واقف،

قوموں کے عروج وزوال سے بھی واقف، مدارس کی تاریخ اور مدارس کے کردار اور کام سے بھی واقف، وہ کہیں گے نہیں صاحب! ہماری سمجھ میں ایک بات آتی ہے کہ مدارس میں فیس کا نظام قائم کیا جائے تاکہ طلبہ کرام سے کھانے کے نام سے یا جس طرح بھی ہو، فیس وصول کی جائے، اس کے بعد داخلہ کیا جائے، جب طلبہ فیس دیں گے، تو اس تعلیم کی اہمیت بھی ہوگی، جو اس وقت مفت ملنے کی وجہ سے اکثروں کی نظر میں غیر اہم ہوگئی ہے، طلبہ کو مدارس کی قدر بھی ہوگی، ان کے وارثین کو بھی تعلیم کی قدر ہوگی، ان علماء کی بھی قدر ہوگی، خود ان کو اپنی اور اپنی اس تعلیم کی وقعت اور اہمیت معلوم ہوگی، اور وہ معاشرہ میں بھی پہلے سے زیادہ باعزت، محترم اور باوقار سمجھے جائیں گے، مدارس کی بھی اہمیت ہوگی، مدارس کے وقت کی بچت ہوگی؛ کیونکہ چھٹیاں کم ہوں گی، پڑھائی میں وقت زیادہ صرف ہوگا، رمضان کا مقدس مہینہ پڑھنے پڑھانے، عبادت واعتکاف میں صرف ہوگا، جو مزید اللہ تعالی کی عنایات اور توجہات کے حصول کا سبب بنے گا، تاجر اور بزنس مین اور اہل دنیا کی نظر میں بھی علماء کی وقعت واہمیت ہوگی اور وہ خود پھر اپنی زکوۃ وصدقات کو مدارس میں آکر جمع کریں گے، اور حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق قیامت سے پہلے وہ وقت آنا ہی ہے کہ لوگ زکوۃ دینے کے لیے پھریں گے، مگر کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔

قوم کا مزاج

اس پر اکثر حضرات یہ کہیں گے کہ یہ تو مشکل کام ہے، کوئی فیس دے گا ہی نہیں، بے چارے غریب مسلمانوں کے بچے ہی ان مدرسوں میں پڑھتے ہیں، ان کی حیثیت فیس دینے کی نہیں، بعض بڑے اہل مدارس کہیں گے کہ جی الحمدللہ! ہمارے ادارہ کی تو تاریخ ہے کہ طلبہ سے کبھی فیس نام کی کوئی چیز نہیں لی جاتی، اکابرین کا یہی طرز عمل رہا ہے،

بعض کہیں گے یہ تعلیمی مدارس نہیں بلکہ بزنس کے اڈے بن جائیں گے، بعض کہیں گے کہ صاحب طلبہ ہی نہیں آئیں گے، یہ مدارس بند ہوجائیں گے، بات تو واقعی یہی ہے، چونکہ قوم کا مزاج اسی طرح بنا ہوا ہے، جب اس کے برعکس مزاج بنانے کی کوشش کی جائے گی تو بن جائے گا، دراصل اس کی طرف ابھی تک سنجیدگی سے التفات نہیں کیا گیا ہے۔

تبلیغی جماعت سے سبق حاصل کیا جائے

اس سلسلہ میں تبلیغی جماعت سے سبق حاصل کیا جاسکتا ہے، جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی جماعت اور تحریک ہے، جس کا نیٹ ورک پوری دنیا میں ۲۴ رگھنٹے کام کررہا ہے، اس کا مزاج پہلے ہی دن سے یہ بنایا گیا ہے کہ اپنا کھانا ہے، اپنا پینا ہے، اپنا بستر لینا ہے، اپنا کرایہ خرچ خود کرکے سفر کرنا ہے، ایک دوسرے کی خدمت کرنا ہے، بتلاؤ اس پر عمل ہو رہا ہے، یا نہیں؟ بڑے سے بڑا آدمی، بڑے سے بڑا عالم، بڑے سے بڑا تاجر اور بزنس مین جماعت میں جاتا ہے، اپنا بستر لے جاتا ہے، اپنا کھانا خرچہ خود اٹھاتا ہے، کیا جماعت میں غریب لوگ نہیں لگتے؟ بخدا تبلیغی جماعت سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کا آدمی جڑا ہوا ہے، غریب بھی ہے، امیر بھی ہے، جاہل بھی ہے، عالم بھی ہے، ڈاکٹر بھی ہے، پروفیسر بھی ہے، انجینئر بھی ہے، اسی طریقے سے مدارس میں بھی، جب سب جگہ یہ نظام ہوجائے گا تو لوگ اس کی پابندی کریں گے، اور اگر واقعی کوئی طالب علم غریب ہے، ضرورت مند ہے، تو اس کی زکوۃ کے مدسے یا اگر گنجائش ہو تو دوسرے مدسے مدد کی جائے، کیونکہ جب معقول فیس لی جائے گی تو تمام اخراجات بھی پورے ہوں گے، مزید بچت میں غریب اور نادار طلبہ بھی پڑھ سکیں گے، اور تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔

انگلش میڈیم اسکولوں اور لڑکیوں کے مدرسوں میں فیس کا کامیاب نظام ہے

جو لوگ انگلش میڈیم یا نئے طرز پر اسلامی یا غیر اسلامی اسکول یا جدید مدارس قائم کررہے ہیں، وہ فیس کے نظام پر چل رہے ہیں، اور ماشاء اللہ کافی ترقی ہو رہی ہے، طلبہ پڑھ رہے ہیں، لائن لگا کر داخلے ہو رہے ہیں، ویٹنگ میں کھڑا ہونا پڑ رہا ہے، بعض اعلی معیار کے اسکولوں میں تو ایام حمل ہی میں داخلہ کی درخواست دینی پڑتی ہے، اور راقم کو تو تجربہ ہے کہ لڑکیوں کے جو مدارس چل رہے ہیں، اکثر جگہ فیس کا نظام ہے اور لوگ فیس دے رہے ہیں، غریب لوگ بھی اپنی بچیاں پڑھا رہے ہیں، رکشہ پولر بھی پڑھا رہے ہیں، یومیہ مزدوری کرنے والے بھی پڑھا رہے ہیں، اور ہمارے یہاں ایسے لوگوں کی بچیاں پڑھ رہی ہے بلکہ بعض عورتیں خود اپنے ہاتھ کی کمائی، دستکاری اور بعض اپنی مزدوری سے اپنی بچیوں کو پڑھا رہی ہیں، بلکہ پورا کورس بھی ہر سال کا خود اپنا خرید رہی ہیں، اور وہی لڑکیاں جو یہاں فیس جمع کرکے پڑھ رہی ہیں، ان کے بھائی ہمارے مدرسے میں فری میں پڑھ رہے ہیں، افسوس ہے کہ لڑکوں کے مدارس میں کورس کی کتابیں مفت دی جاتی ہیں، جو شوال میں دیکر شعبان میں واپس لے لی جاتی ہیں، طلبہ علمی ہتھیار سے خالی کے خالی رہ جاتے ہیں، یہ کیا بات ہے؟ تو جیسے تبلیغی جماعت نے پہلے ہی دن سے اپنا کھانا پینا، اپنا خرچ اصول بنایا ہے، اسی طرح لڑکیوں کے مدارس میں اس پر پہلے ہی دن سے عمل ہے، تو ضرورت ہے کہ لڑکوں کے مدارس میں بھی اس پر عمل کیا جائے۔

فیس کا نظام چل سکتا ہے

یہ نظام چل سکتا ہے، اگر سب اہل مدارس متفق ہو جائیں، مگر لگتا ہے کہ بڑے مدارس متفق نہ ہوں گے، اور چھوٹوں کے اتفاق سے کام نہیں چلے گا، مگر پھر بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، کوشش کرنا اپنا کام ہے، ایک آواز ہے لگانا شروع کردو، وقت آئیگا تو کچھ لوگ لبیک ضرور کہیں گے اور ساتھ ہو جائیں گے، اس طرح امید ہے کہ انقلاب آئیگا اورامت کا ایک صحیح رخ پر چلنا آسان ہو جائے گا ”لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا“۔

مدارس کا نظام دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان

صفہ نبوی تمام تشریعی علوم کا مرکز

صفہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا مدرسہ تھا، جہاں پر بیک وقت تعلیم کتاب، تزکیہ واحسان، دعوت وتبلیغ، وعظ وارشاد، اخلاقیات، عبادات، معاملات، معاشیات، سیاسیات، اقتصادیات بلکہ جملہ علوم وفنون کا درس دیا جاتا تھا، اور چونکہ اس مدرسہ کا تعلق براہ راست خالق کائنات سے تھا، اس لیے تمام تشریعی علوم کا یہ مرکز تھا، اورزندگی کے تمام شعبوں کے متعلق یہاں اصول وہدایات اور تعلیمات وتوجیہات مرتب ہوتی تھیں، صحابہ کرام ان پر عمل پیرا ہوتے اورزندگی میں نافذ کرتے تھے، پھر جیسے جیسے زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا، لوگوں کے افکار ونظریات میں تبدیلی ہونے لگی، اجتہاد کا دروازہ کھل گیا، اورامت کے مختلف طبقات کے لوگوں نے دین کے مختلف شعبوں میں الگ الگ جدوجہد اور محنتیں شروع کردیں، اس طرح جو کام زمانہ نبوت اور خیرالقرون میں ایک پلیٹ فارم پر ہوتے تھے، وہ مختلف انداز او رمختلف طرق سے الگ الگ شعبوں میں ہونے لگے، بعثت اور نبوت کے مہتم بالشان مقاصد میں اگرچہ چار بہت اہم ہیں، تلاوت کتاب، تزکیہ، تعلیم کتاب وحکمت، مگراخلاقیات ان سب کو جامع ہیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے مقصد کو مکارم اخلاق کی تکمیل اوراتمام کے لیے بیان فرمایا ہے۔

برصغیر کے اکثر مدارس کا نظام

خیرالقرون کے بعد دین کے مختلف شعبوں کے عمل میں آنے کے باوجود مدرسہ کا عمل تعلیم کے ساتھ تبلیغ اور تزکیہ کا ضرور رہا ہے، اور اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ نظام برصغیر ہندو پاک کے اکثر مدارس میں رائج تھا، اور ان مدارس سے فارغ ہونے والے ولی ہوتے تھے، ان کا سلوک طے ہو چکا ہوتا تھا، اور ان میں دعوت کی اور تزکیہ کی مکمل صلاحیت ہوتی تھی، بعض مرتبہ تو وہ مکمل عالم دین بھی نہ ہوتے تھے بلکہ صرف میاں جی، یا حافظ صاحب یا قاری صاحب ہوتے تھے، مگر وہ منجھے ہوئے اور کڑھے ہوئے ہوتے تھے، اور جو مکمل عالم دین ہوتا تھا، وہ تو ماشاء اللہ ولی کامل، مربی وقت، داعی زماں اور مصلح قوم ہوتا تھا؛ کیونکہ اساتذہ بھی کامل و مکمل اور عالم باعمل ہوتے تھے اور اپنے شاگردوں کی تعلیم کے ساتھ اخلاق کی تربیت بھی کرتے تھے، سلوک بھی طے کراتے تھے، تزکیہ نفس بھی کرتے تھے اور گویا کہ گھول کر پلانے کا ان کو ہنر آتا تھا۔

طلبہ اور اساتذہ کا حال

اب کچھ زمانے سے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ علم میں بس نام کے ہوتے ہیں، کام کے نہیں، تزکیہ نفس کے اعتبار سے تو بالکل ہی کورے ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ، چونکہ آج کل اکثر اساتذہ اور ذمہ داران مدارس بھی غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں، گو کہ بعض مرتبہ وہ اچھی علمی لیاقت رکھتے ہیں، مگر مزکّی نہیں ہوتے، اس لیے مدارس میں پڑھنے والے اور فارغ ہونے والے بھی اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں، اخلاق کی طرف بہت کم مدارس میں توجہ دی جاتی ہے، بلکہ بعض مرتبہ اساتذہ آپس میں معمولی معمولی باتوں پر کبھی طلبہ کے سامنے اور کبھی خود ذمہ دار کے سامنے اس طرح دست و گریباں ہو جاتے ہیں کہ ان کو سنبھالنا اور روکنا مشکل ہو جاتا ہے، حالانکہ وہی طلبہ کے مربی، معلم

اور مصلح ہوتے ہیں، اسی طرح تربیت کی طرف بھی خیال نہیں کیا جاتا، مسائل بھی عام طلبہ کو نہیں سکھلائے جاتے، جو عالم بنتے ہیں، وہ کتابوں میں پڑھ لیتے ہیں اور بس، شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں طلبہ کو کوئی استاذ وضو کا طریقہ سکھاتا ہو، طہارت کا سلیقہ بتاتا ہو، نماز پڑھ کر عملاً دکھلاتا ہو، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر دکھلائی اور پھر فرمایا کہ "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ"(۱) ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو، غرضیکہ آج کل مدارس میں تربیت کی، تزکیہ نفس کی اور دعوت و تبلیغ کے کام کی طرف دھیان کم دیا جاتا ہے۔

اہل مدارس کا تبلیغی کام سے نہ جڑنا اور اس کے نتائج

اس لیے اس وقت اہل مدارس کو تبلیغ اور تزکیہ و احسان کے کام سے جڑنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس وقت اہل مدارس نے تبلیغ کے کام کو چھوڑ رکھا ہے، اگرچہ کچھ علماء مدارس و طلبہ ضرور لگے ہوئے ہیں، مگر ان کی حیثیت ایسی بھی نہیں جیسے کھانے میں نمک کی، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مروجہ تبلیغ سے جڑے ہوئے ہیں، وہ ڈنکے کی چوٹ پر بانگ دہل مساجد میں عوام سے کہتے ہیں کہ بھائی مدرسے والوں نے، علماء نے یہ دین کا کام چھوڑ دیا ہے، لہٰذا اب آپ ہی لوگوں کو یہ کام کرنا ہے، اور اگر کہیں تبلیغی لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں کوئی عالم بھی ہو، تو یا تو اس عالم کو زبردستی اپنے پروگرام میں شامل کرنا چاہتے ہیں، یا پھر اس کو اس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی عام تبلیغی تقریر شروع کر دیتا ہے اور وہ پھر اپنی ہفوات بیان کرتا ہے، انہوں نے معیار بنا لیا ہے کہ چلہ لگا ہوا ہونا چاہئے، یا وقت لگا ہوا ہونا چاہئے، چلہ اور وقت لگنے کے بعد تو اصلاح ہونی چاہئے تھی، کیونکہ چلہ کا مقصد اصلاح نفس ہے اور یہاں اصلاح مفقود

(۱) صحیح البخاری کتاب الاذان حدیث نمبر ۵۹۵۔

ہے بلکہ اس کے برعکس گھمنڈ، تکبر، اپنے اعمال اور تبلیغ پر فخر کا اظہار اور دوسروں کی تحقیر کا معاملہ ہوتا ہے۔

مدارس کی تعلیم اہل تبلیغ کے یہاں دین نہیں

مدارس کی آٹھ دس سالہ زندگی ان کے یہاں کوئی معنی نہیں رکھتی، ایک بڑے مشہور مدرسے کے ذمہ دار کا واقعہ ہے، جن کے یہاں ہندوستان کے تمام بڑے مدارس سے بھی زیادہ طلبہ پڑھتے ہیں، حفظ قرآن مجید کرتے ہیں، عالم دین بنتے ہیں، مفتی بنتے ہیں، ڈاکٹر اور انجینئر بنتے ہیں، ان کے یہاں باہر کے ایک مہمان تشریف لائے، مولانا نے پورے جامعہ کا معائنہ کرایا، تمام شعبہ جات دکھلائے، اخیر میں وہ مہمان کہتے ہیں کہ حضرت یہاں دین کا کام بھی ہوتا ہے؟؟ مولانا سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور اس مہمان کو پھٹکار لگائی۔

اہل مدارس کا مساجد میں ٹھہرنا ممنوع

اسی طرح اکثر شہروں اور قصبوں کی مسجدوں میں جماعتی یا تبلیغی لوگ تو ٹھہر سکتے ہیں، لیکن کوئی عالم یا مدرسہ کا سفیر جو مدرسہ کا استاذ یا عالم ہوتا ہے وہ نہیں ٹھہر سکتا، اس لیے کہ مسجد کے ٹرسٹیوں، کمیٹی والوں نے اصول بنا رکھے ہیں کہ صرف دین کا کام کرنے والے یعنی تبلیغی کام کرنے والے ہی ٹھہر سکتے ہیں، مدارس کے اساتذہ، علماء اور سفراء نہیں ٹھہر سکتے، اور یہ بیماری بعض دوسری بیماریوں کی طرح انٹرنیشنل پیمانے پر پھیل رہی ہے، بہت سے علماء وسفراء کو اس کا تجربہ سنگاپور میں ہوا، ملیشیا میں ہوا، زامبیا میں ہوا، ملاوی میں ہوا، زمباوے میں ہوا، بوٹسوانہ میں ہوا، موزمبیق میں ہوا، جنوبی افریقہ میں ہوا، اور بہت سی جگہوں پر اپنے ملک میں بھی ہوا، ایک ایسی فضا بنی ہوئی ہے، کہ اگر تبلیغ میں آدمی لگا ہوا ہے، یا بلکہ آج ہی لگا ہے، تو چاہے وہ کتنا ہی بڑا کرمنل، جرائم پیشہ ہو، زانی ہو، فاسق ہو، فاجر ہو، چور ہو، ڈاکو ہو، کتنا ہی بڑا شرابی کبابی، جواری اور کتنا ہی

بڑا افراڈی ہو، آج ہی تبلیغ میں گیا ہو، تو اس کا استقبال کیا جائے گا، اور اگر کوئی سفیر یا عالم مدرسہ میں پڑھتا پڑھاتا بوڑھا ہو گیا ہو، ستر اسی سال اس کی عمر ہو گئی ہو، اور مدرسے کے لیے سفر میں نکلا ہو، تو اس کو مسجد والے ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیں گے، بہت کم جگہیں ایسی ہیں، جہاں پر ان بیچاروں کو ٹھہرنے کی اجازت مل جاتی ہے۔

تبلیغی جماعت کشتی نوح ہے

ایک عام جائزہ یہ ہے کہ اکثر جگہوں پر، بلاکوں میں، ضلعوں میں اور صوبائی پیمانے پر ہندوستان میں بھی اور بیرون ہند بھی اکثر امیر جماعت حاجی صاحب یا میاں صاحب ہوتے ہیں، کیا کوئی عالم اس قابل نہیں کہ وہ امارت کے فرائض انجام دے سکے، یہ کیا بات ہے؟ یہ بھی اہل مدارس کی غلطی ہے کہ انہوں نے تبلیغ والے کام کو چھوڑا، اور جہلا نے اپنی دھاگ بٹھالی اور ان کے خلاف اصول بنوادئے، اور اہل مدارس کی یہ غلطی اس اعتبار سے ہے کہ تبلیغی جماعت اس وقت بقول شخصے ''کشتی نوح'' ہے، جو اس پر سوار ہو جائے گا بچ جائے گا، ورنہ تو خطرہ ہے، ویسے تو آج کل کسی بھی شعبے کے سلسلہ میں کوئی اصلاحی بات کہے تو اس کو مخالف سمجھا جاتا ہے، خاص طور سے تبلیغی جماعت والوں کی منکرات پر جو عالم بھی نکیر کرتا ہے اس کو تبلیغ کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔

مدارس میں تبلیغی کام کی ضرورت

اور تبلیغی حضرات، عام مسلمانوں کی ذہن سازی

اس لیے اب ضرورت ہے کہ ہر مدرسے میں تبلیغ کا کام ہو، طلبہ کو اور علماء کو جوڑا جائے اور تبلیغی جماعت میں اس وقت جو پراگندگی آ گئی ہے، اس کی حیثیت ناسور کی ہے، اس لئے آپریشن ناگزیر ہے، اگر آپریشن نہ کیا گیا تو اس کے بھیانک نتائج نکل

سکتے ہیں، اسی طرح عوام کے ذہن کو صحیح کیا جائے، علماء کا احترام اور ان کا مقام و منصب عام لوگوں کو، شہروں اور قصبوں کے ذمہ داروں کو، مسجدوں کے متولیوں اور ٹرسٹیوں کو بتلایا جائے، اور ان کو باور کرایا جائے کہ تمہاری نیا کو پار لگانے والے یہ علماء کرام اور مدرسے والے ہی ہیں، ورنہ ان سے الگ ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ کر ایسے ختم ہو جاؤ گے اور ایسے گمراہ ہو جاؤ گے کہ پھر راہ راست پر آنا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ انبیاء کے وارث یہ علماء اور اہل مدارس ہی ہیں، اور تبلیغ مدارس کا جز ہے، یہ تفریق کرنا کہ پہلے دعوت آئی، پھر ایمان آیا پھر قرآن آیا، یہ صحیح نہیں، ایمان وقرآن اور دعوت کا چولی دامن کا ساتھ ہے، سب کو ماننا اور اختیار کرنا ہے، اور سب کو ماننے کے لیے قرآن و حدیث کا جاننا ضروری ہے، اور مدارس قرآن وحدیث کو جاننے کے اڈے ہیں، اور تبلیغ زندگی میں قرآن وحدیث کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہے، اور ایمان کے ستر سے بھی زائد شعبے ہیں، اس لیے دین کے کسی ایک شعبہ کو اختیار کر کے دوسرے دینی شعبوں کی نفی کرنا اور ان کی اہمیت کو کم کرنا ناانصافی، جہالت، نادانی اور حماقت کی بات ہے۔

اہل مدارس کا تزکیہ نفس کے شعبہ کو چھوڑنا اور اس کے نتائج

اس وقت اکثر اہل مدارس نے تزکیہ کے عمل کو چھوڑ رکھا ہے کہ نہ ذکر ہے، نہ فکر ہے، اور نہ ہی قلب کی صفائی کی طرف توجہ ہے، جس کی وجہ سے خود علماء کی باتوں میں تاثیر نہیں، پہلے زمانہ میں لوگ ان کی باتیں سن کر اور ان کے عمل کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے، اور اب کتنی بھی اچھی تقریر کرے مگر کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لیے کہ نفس کا تزکیہ نہیں ہوتا، حب جاہ، حب مال، حب دنیا جیسی صفات رذیلہ نہیں نکلتیں، اور نفس کی تربیت نہیں ہو پاتی جس کی بنا پر ایک تو علماء کا وقار نہیں، علماء کی باتوں میں وزن نہیں، صحبت میں وہ تاثیر نہیں، اپنے آپ کو مٹانے کا جذبہ نہیں، نتیجتاً عوام میں ناقدرے ہو گئے،

کیونکہ علم اور عمل کے درمیان تطبیق نہیں، جو بغیر صحبت، بغیر تزکیہ نفس کے ممکن نہیں، پھر تزکیہ کے شعبے میں بھی گھس پیٹ شروع ہوگئی، جاہل صوفیا، نام نہاد علماء سوء اور علماء پیٹو اور بعض روشن خیال جدید تعلیم یافتہ حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا بلکہ آج کل تو ڈاکٹر، ماسٹر، پروفیسر، انجینئر اور میجر لوگ اور جہلا نے تصوف اور تزکیہ کا شعبہ سنبھال لیا، اور عوام کو گمراہ کر کے اپنا الو سیدھا کرنے لگے، اس پر مستزاد تعویذ، گنڈوں، دم اور پھونک کا سہارا لینے لگے اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ علماء سے عوام کو بدظن کرنے لگے، علماء کی توہین وتذلیل کرنے لگے بلکہ بعض روشن خیال اور جدید تعلیم یافتہ صوفی صاحب تو اپنی اعلی دنیوی تعلیم اور یونیورسٹی سے فراغت کی وجہ سے علماء کو حمقاء، غیر دانش مند، دقیانوس، قدامت پسند، پرانی سوچ کے حامل، زمانہ اور حالات حاضرہ سے بے خبر اور ناکارہ گردانتے لگے، اور بے چاری عوام تو کالانعام ہے، جیسی کوئی پٹی پڑھادے، اور خاص طور سے الٹی تو جلدی ہی سمجھ میں آتی ہے، ان تمام باتوں کے ذمہ دار اہل مدارس ہیں کہ انہوں نے توجہ نہیں دی۔

اگر علماء اور اہل مدارس تبلیغ سے نہ جڑے تو بڑا خطرہ ہے

اس لیے اس وقت ضرورت ہے مدارس میں تعلیم کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے شعبہ کو زندہ کرنے کی اور زیادہ سے زیادہ طلبہ اور علماء کو تبلیغ میں بھیجنے کی، چھٹیوں کے اوقات میں خاص طور سے اور عام تعلیمی اوقات کے درمیان مثلاً جمعرات جمعہ کو عام طور پر دلچسپی سے حصہ لینا چاہئے، تاکہ اہل مدارس اور اہل تبلیغ کے درمیان میں جو مغایرت اور اجنبیت محسوس کی جارہی ہے، اور جو گہری خلیج واقع ہورہی ہے وہ دور ہو، ورنہ اہل مدارس اور علماء حضرات کو نوٹ کر لینا چاہئے کہ اگر تبلیغی جماعت کی باگ ڈور آپ نے نہ سنبھالی اور جماعت میں پیدا شدہ خامیوں کو دور نہ کیا تو خطرہ ہے کہ کہیں آپ کے

لیے زمین تنگ نہ کردی جائے اور یہ جماعت خود کھڈے میں گر جائے۔

خانقاہی نظام کو زندہ کرنے کی ضرورت

اور خانقاہی نظام کو بھی زندہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تزکیہ واحسان کا شعبہ زندہ ہو، طلبہ ذکر کریں، قلب کی صفائی کریں، روحانیت کا ماحول پیدا کریں، اگر یہ شعبہ مدارس میں زندہ ہوگیا تو علماء تو اچھے تیار ہوں گے ہی، خود اہل مدارس کو مادی طور پر بھی بہت فائدہ ہوگا، کیونکہ جب کلام الٰہی کی تعلیم کے ساتھ دعوت بھی دی جائے گی اور عملاً زندگی میں اس کا نفاذ ہوگا، ذکر کی کثرت ہوگی، تو خود خالق کائنات، مدارس میں اتنا مادی انتظام فرمادے گا کہ اب جتنی چندے کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ کی ضرورت پڑتی ہے پھر اتنی نہ پڑے گی، بلکہ تھوڑی سی حرکت میں برکت ہوجائے گی، انشاء اللہ۔

دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان کی طرف دلچسپی سے توجہ

اس لیے راقم امید کرتا ہے کہ اہل مدارس تعلیم کے ساتھ، دعوت وتبلیغ اور تزکیہ واحسان کی طرف دلچسپی سے توجہ دیں گے اور حالات کو سمجھ کر اپنی بیدار مغزی ودانشمندی اور فکری تیقظ اور بیداری کا ثبوت دیں گے، اور پھر اس کے نقد ثمرات اور فوائد سے محظوظ ہوں گے، اور مدارس کی اہمیت وافادیت اور مدارس کی آفاقیت ووسعت اور ان کی ہمہ گیریت اور عالمگیریت ثابت ہوگی، اور اپنا رنگ دکھائیگی جیسا کہ ماضی میں دکھایا ہے اور یہ سب علماء اور اہل مدارس کے سوچنے اور فکر کرنے کا کام ہے، ورنہ تو......

یہ جو میکدہ کا نظام ہے اسے میں بدل کے بھی کیا کروں
یہ جو مست ہیں اسی حال میں انہیں ہوش آئے تو بات ہو

مدارس کا نظام اہتمام وشوری

اب شوری بس نام کی رہ گئی ہے

اس پرفتن وپرآشوب دور میں کوئی بھی اجتماعی کام عمل میں آنے سے پہلے انتشار کا شکار ہوجاتا ہے، یا اگر پہلے سے کوئی نظام قائم ہے، تو اس وقت اس کو چلانا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے، ہمارے قدیم دینی مدارس میں جو شورائی نظام تھا، اب بس وہ نام کا ہی رہ گیا ہے، گو کہ شوری ہے، جس میں علماء کرام کم رؤسا حضرات زیادہ ہوتے ہیں، مدارس کے ارباب بست وکشاد پہلے سے تجاویز تیار کر کے رکھتے ہیں، ایک اجلاس ہوتا ہے، اس میں وہ پڑھ کر سنادی جاتی ہیں، اور سب حاضرین کے دستخط ہوجاتے ہیں، اگرچہ بعض بڑے حضرات کے تأثرات اور بیانات بھی ہوتے ہیں، اور ذمہ داران سال بھر کی رپورٹ اور کارکردگی بھی پیش کرتے ہیں (اس سلسلہ میں اگرچہ بعض جگہیں ابھی بھی مستثنٰی ہیں) اور ایک اچھی سی دعوت ہوجاتی ہے، پہلے سے جن حضرات کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، اس بہانے سے وہ بھی ہوجاتی ہے، اخبار میں بیان آجاتا ہے اور بس۔

پہلی اور آج کل کی شوری میں فرق

پہلے جو شوارئیں ہوتی تھیں، ان میں اکثر اہل اللہ، اکابر، صلحاء ہوتے تھے، جو تجویز پاس کرانی ہوتی تھی، یا جس رکن کے ذہن میں مدرسہ کے مفاد میں کوئی خاص بات آتی تھی تو اس پر بحث ہوتی تھی، جرح ہوتی تھی، اس کے اچھے برے پہلو پر روشنی ڈالی جاتی

تھی، اس کے بعد وہ بات پاس ہوتی تھی، دراصل اس وقت سب کو اپنی بات کہنے کا حق ہوتا تھا، آج کل مصلحت بینی، مفاد پرستی اور اپنی رکنیت کو محفوظ کرنے کا زمانہ ہے، اس لیے اگر کسی رکن نے ارباب انتظام کے خلاف یا ان کی رائے کے مدمقابل کوئی دوسری رائے کی تجویز پیش کردی، تو یا ان کو رکنیت سے مستعفی ہونا پڑے گا یا پھر جماعت میں اختلاف ہوگا، انتشار ہوگا، کچھ ان کے ساتھ ہوں گے، کچھ دوسرے فریق کے ساتھ ہوں گے، کیونکہ وہ مشورہ کے معنی اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے، اپنی رائے کو جہالت اور کبر کی وجہ سے حکم کا درجہ دیتے ہیں، اسی لیے بہت سی جگہوں پر شورائی نظام ختم ہوگیا ہے، یا کہیں کہیں برائے نام ہے، اور ذمہ داران حضرات جو کرنا چاہتے ہیں کرتے ہیں، اس کی دو وجوہ ہیں: ایک تو یہ کہ جو انتظام پر قابض ہیں ان کے اختیارات میں خلل واقع ہوتا ہے، دوسری یہ کہ انتظامیہ جو سیاہ وسفید کے مالک ہوتے ہیں، اپنی مرضی سے اور اپنے مصالح سے زیادہ اچھا کام کرلیتے ہیں، اور کسی کی روک ٹوک ان کے سر پر نہیں ہوتی، جس سے وہ آزاد ہوتے ہیں۔

یہ زمانہ انفرادی طور پر کام کرنے کا ہے

اور بعض بزرگوں کا تو یہ کہنا ہے کہ یہ زمانہ اجتماعی طور پر کام کرنے کا نہیں ہے، بلکہ انفرادی طور پر آدمی زیادہ کام کرسکتا ہے، اس لیے آج کل وہ مدارس جو ذاتی، شخصی اور انفرادی طور پر قائم کئے جارہے ہیں، یا قائم ہیں، ان میں تعمیری اعتبار سے بھی خوب ترقی ہورہی ہے، اور تعلیمی اعتبار سے بھی خوب کام ہورہا ہے، قرآن کریم پر محنت ہورہی ہے، نئے نئے شعبے کھل رہے ہیں، نوجوان اساتذہ، اچھے قراء، اچھے علماء، ادباء اور کام کرنے والوں کو رکھا جارہا ہے، اور ماشاء اللہ کام خوب سے خوب تر ہورہا ہے۔

اس زمانے میں شوری ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں

البتہ شورائی نظام نہ ہونے کے جہاں بہت سے فوائد ہیں، وہاں کچھ نقصانات بھی ہیں، مثلاً ذمہ دار بعض مرتبہ مال میں بے راہ روی کرتا ہے، بعض مرتبہ طلبہ کے ساتھ اور بعض مرتبہ اساتذہ کے ساتھ حد سے زیادہ من مانی کرتا ہے، وہ اللہ کو اپنے اوپر حاضر وناظر تو سمجھتا ہے، جس کی پکڑ کو بھی یقینی سمجھتا ہے، مگر تاخیر سے؛ لیکن اوپر دوسرے لوگوں کی پکڑ کو یقینی نہیں سمجھتا، مگر ان کے اوپر ہونے کو بعض مرتبہ شر ضرور سمجھتا ہے، اور اس میں خیر کا پہلو اس کو کم نظر آتا ہے، مگر قطع نظر اس کے شر اور خیر کے پہلو کے، جہاں بھی مدارس میں شوری ہے، وہاں بعض خاص افراد ہی کی عملاً پکڑ ہے، اس لیے جہاں نہیں ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شوری کی اہمیت ہے

اسلامی نقطہ نظر سے شوری کی اہمیت ہے، اور اس میں خیر ہے، مگر کوئی بھی ذمہ دار جس کے یہاں شوری نہیں، مشیر تو اس کا بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوتا ہے، جو اس کا بڑا یا چھوٹا ہوتا ہے، جس سے وہ مشورہ لیتا ہے، اور کام کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مقامی عوام سے بھی زیادہ مدرسہ کے سلسلہ میں تعلق نہیں رکھتا، چونکہ جس عام آدمی کو مدرسہ کے معاملہ میں دلچسپی ہوگی، یا اس کو موقع ملے گا، تو وہ بے جا دخل اندازی کرے گا، اور وہ انتشار کا باعث ہوگا، اس لیے آج کل پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور ہر قسم کے شر سے بچنے کی کوشش کی بھی، عوام کا شر، طلبہ اور ان کے وارثین کا شر، اپنوں اور پرایوں کا شر، ارباب اقتدار کا شر، اہل مدارس کو قدم قدم پر پیش آتا رہتا ہے، اس لیے متوجہ الی اللہ ہونے کی بھی خوب ضرورت ہے۔

حساب وکتاب بھی صاف ستھرا ہونا ضروری ہے

اور ظاہری طور پر اپنے آپ کو اور مدرسے کو بچانے کی بھی ضرورت ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انابت الی اللہ کے ساتھ معاملے کی صفائی بھی ہو، اس لیے اللہ کے ساتھ معاملہ کی صفائی بہت ضروری ہے، اگر ذمہ دار کا اللہ کے ساتھ معاملہ صاف اور ستھرا رہے گا، تو ان شاء اللہ کوئی ضرر ونقصان نہیں پہنچا سکتا "وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا" (۱) اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو تمہارا ان کے فریب سے کچھ نہ بگڑے گا۔

اور مابین العبد وبین اللہ معاملہ کی صفائی جبھی ہو پائے گی جب ظاہر میں بھی ہمارے مدارس کا حساب وکتاب صاف ستھرا ہوگا، کوئی بھی معاون مخیّر تاجر جس وقت آکر دیکھنا چاہے تو دیکھ سکے، اس لیے آمد وخرچ کا صحیح اندراج بہت ضروری ہے، کسی کی خرد برد سے اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا انتظامیہ، ناظم یا مہتمم کی، اس لئے ان کو زیادہ سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالی ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن فرمائے اور اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

(۱) سورۂ آل عمران آیت ۱۲۰۔

فارغین مدارس کی ٹریننگ اور تنخواہوں کا معیار

عصری درسگاہوں میں ٹریننگ کا عام دستور

آج کل جدید اور عصری تعلیم گاہوں کے فارغین جو اپنی تعلیم اسکولس اور کالجز میں مکمل کرتے ہیں، کورس کی تکمیل کے بعد ان کو فوراً کسی سرکاری ادارے میں ملازم نہیں رکھا جاتا، بلکہ اس کے لیے ان کے واسطے ایک ٹریننگ کورس ہوتا ہے، جو کبھی دو سال، ایک سال، چھ ماہ، دو ماہ، ایک ماہ اور کبھی ہفتہ دس دن کا بھی ہوتا ہے، جس کے بعد ان کو خاص سند دی جاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب آپ کہیں بھی، کسی بھی ادارے میں جو آپ کی ڈگری، اور قابلیت سے میچ کھاتے ہیں، وہاں پر آپ جوب (Job) اور ملازمت کر سکتے ہیں، یہ آج کل کا عام دستور بلکہ عام نظام ہے۔

دینی مدارس میں ٹریننگ کا کوئی نظام نہیں

مگر ہمارے دینی اداروں، مدارس، جامعات اسلامیہ سے فارغ فضلاء، علماء، حفاظ، قراء اور مفتیان کرام جہاں شعبان میں فارغ ہوئے، فوراً ہی ان کو ان کی لیاقت اور ڈگری کے مطابق جوب اور ملازمت مل جاتی ہے، شعبان اور رمضان میں نہ سہی، شوال میں تو کام ہو ہی جاتا ہے، ابھی وہ پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں، ان کو نہ طریقہ تعلیم معلوم ہے اور نہ مدرسہ میں اسٹاف اور ملازمین کے حقوق اور اصول معلوم ہیں، اور نہ انتظامیہ، مہتمم اور ناظم سے روبرو ہونے اور ان سے بات چیت کرنے کے آداب معلوم ہیں، غرضیکہ ان کی ابھی کوئی

ٹریننگ اور تربیت نہیں ہوئی، بلکہ وہ اٹکل اور اندازہ سے دیکھا دیکھی کام کرتے ہیں، جس کی کوئی خاص اور اصل بنیاد نہیں ہوتی، نتیجہ جو اس کا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

حالانکہ اکابرین نے ٹریننگ حاصل کی ہے

اگر کسی مدرسے کے ذمہ دار یا کسی صاحب سے اس سلسلہ میں بات کی جاتی ہے، تو اس کو عجیب سی چڑ معلوم ہوتی ہے کہ نہیں صاحب! سب ٹھیک ہے، ہمارے اکابرین نے اسی طرح پڑھا ہے، کسی نے کوئی ٹریننگ نہیں لی، یہ سب غیروں کی چالیں ہیں، ان اللہ کے بندوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہمارے اکابرین تعلیم حاصل کرتے کرتے ولی بن جاتے تھے، مربی بن جاتے تھے، معرفت الٰہی حاصل کر لیتے تھے، ربانیت وروحانیت کے امام بن جاتے تھے، وہ تعلیم کے ساتھ تربیت اور ٹریننگ بھی لیا کرتے تھے، اور اگر تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت نہ ہو پاتی تھی تو وہ ظاہری تعلیم کی تکمیل کے بعد کسی اللہ والے کی خانقاہ میں سال چھ مہینے ٹریننگ لیا کرتے تھے، اور انسانیت کا سبق حاصل کرتے تھے، تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ہمارے اکابرین نے اسی طرح پڑھا ہے، اور چلو ہم مانتے ہیں کہ اکابرین نے اسی طرح پڑھا ہے، تو اسی طرح پڑھ کر انہوں نے مقصد بھی تو حاصل کرلیا تھا، اب جب اسی طرح پڑھ کر مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے، تو کیا دوسرا طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں؟۔

اہل مدارس سے قلیل المدتی ٹریننگ کورس جاری کرنیکی گزارش

ہم بڑے ادب واحترام کے ساتھ مدارس کے ذمہ داروں، اکابرین دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جملہ بڑے اور چھوٹے مدارس کے ارباب حل وعقد سے مخلصانہ گزارش کرتے ہیں، کہ جو طلبہ بھی فارغ ہوں، چاہے مفتی وادیب بن کر، چاہے عالم وفاضل بن کر یا حافظ وقاری بن کر، ان کے لیے ایک قلیل

المدتی ٹریننگ کورس ضرور رکھا جائے، چاہے پندرہ دن کا ہو، چاہے ایک ماہ، یا دو ماہ، یا چھ ماہ، یا ایک سال کا ہو، اس میں ان کو طریقہ تعلیم، طلبہ سے کس انداز سے پیش آئیں، کس طرح پڑھائیں، اور کس طرح تربیت کریں، ذمہ داران سے کس طرح پیش آئیں، مدارس کے مفاد میں کس طرح رہیں، عوام اور پبلک کو کس طرح انگیز کریں، مساجد اور مکاتب میں کس طرح کام کریں، اس طرح کے کچھ گر ان کو بتائے جائیں، اور ٹریننگ دی جائے، اور ان کو ایک توصیفی سند بھی دی جائے، بعض حضرات کہیں گے کہ ہمارے یہاں، یا فلاں جگہ تو تخصُّصات کے شعبے، تدریب کے شعبے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں! ضرور ہیں، مگر ان میں علمی موشگافیاں، تحقیقی ذوق اور کسی خاص فن میں مناسبت تو پیدا کی جاتی ہے، مگر مذکورہ باتیں ان کو نہیں بتلائی جاتی، اگر بتلائی جاتی ہیں تو قابل مبارک باد ہیں وہ ادارے جہاں یہ تدریبی کورس ہے، اگر نہیں بتلائی جاتی اور یہ ٹریننگ نہیں دی جاتی تو کوشش کی جائے، امید ہے کہ اس کے بعد مدارس میں ایک اچھا سلسلہ قائم ہوگا، اچھے نتائج برآمد ہوں گے، مدارس میں موجودہ خلفشار اور جو بدعنوانیاں، بے اصولیاں سامنے آتی ہیں ان میں کمی ہوگی، اور امت کو اچھے افراد، اچھے اساتذہ، اچھے ائمہ اور بہتر داعی حضرات ملیں گے، ایک اچھا پیغام جائے گا۔

ٹریننگ کی سند کی بنیاد پر ہی تقرر کیا جائے

اس کے بعد ہر مدرسے اور مسجد میں جس استاد یا امام کا تقرر ہو، اس کے تقرر کے لیے جہاں سند وغیرہ دیکھی جائے، وہیں اس کے پاس یہ ٹریننگ کی سند بھی دیکھی جائے، جس کے پاس یہ سند ہو، اس کو ہی استاد اور امام رکھا جائے، اور پھر ان اساتذہ کرام اور ائمہ حضرات کو تنخواہیں بھی اچھی دی جائیں، اس وقت تعلیم کی کمزوری اور طلبہ پر عدم توجہی کی وجہ اساتذہ کی تنخواہوں کی کمی بھی ہے، اس لیے ارباب مدارس سے

گزارش کی جاتی ہے کہ تنخواہوں کا معیار بھی بلند کریں، اچھی تنخواہیں دی جائیں اور خوب کام لیا جائے، آج کل سرکاری اسکولوں میں ان اساتذہ کو رکھا جاتا ہے جو ٹرینگ شدہ ہوتے ہیں، اوران کو تنخواہیں بھی اچھی دی جاتی ہیں، اس طرح ہمارے مدارس کے ذمہ داران بھی ان دو باتوں کی طرف توجہ دیں گے تو اچھے نتائج برآمد ہوں گے، ایک تو اساتذہ کی ٹرینگ وتربیت کا بندوبست کیا جائے ، دوسرے تنخواہوں کا معیار بلند کیا جائے، اورعوام اور متولیان مساجد سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ وہ بھی ائمہ حضرات کی معقول تنخواہ کا بندوبست کریں، اس لئے کہ اس کے بغیر نہ خواندہ مدرس ملیں گے، نہ تزکیہ یافتہ مربی استاد اور نہ ہی روح نماز سے واقف ائمہ۔

اگرچہ مدارس کا مقصد روزی روٹی کیلئے تعلیم دینا نہیں

بہت سے ذمہ دار حضرات، علماء کرام اور قلمکار یہ لکھتے اور کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے ان مدارس کا مقصد علماء دین اور قرآن وحدیث کی خدمت کرنے والے، دین کے جانباز سپاہی پیدا کرنا ہے، ان کو روزی روٹی کے لیے اورروزی کے وسائل کے لئے پڑھانا اور تعلیم دینا مقصود نہیں، بات بالکل صد فیصد صحیح اور درست ہے، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ: "وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" (١) زمین پر جتنے بھی چوپائے ہیں، سب کو رزق پہنچانے کی ذمہ داری اللہ کی ہے، ایک جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ: "لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى" (٢) ہم آپ سے روزی کا سوال نہیں کرتے، روزی تو ہم خود آپ کو دیں گے، اوراچھا انجام پرہیزگاری کی بنیاد پر ہے۔

اور متعدد جگہ پیغمبروں کی یہ بات نقل کی ہے کہ "مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ

(١) پارہ ١٢/ آیت ٦۔ (٢) سورہ طٰہٰ آیت ١٣٢۔

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" (١) میں اپنی اس (دینی، دعوتی اور تعلیمی) خدمت پر آپ لوگوں سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے"۔

یہ مزاج ہے اسلام کا، اسلامی تعلیمات کا اوراسلامی ماحول اور پیغمبرانہ اور داعیانہ اصول کا، اور ہر زمانے میں اس اصول پر اور اس ادا پر کام کرنے والے رہے ہیں، اورانہوں نے کام کیا ہے درس وتدریس کا، دعوت وتبلیغ کا، وعظ وارشاد کا اور امامت وقیادت کا۔

مگر بغیر تنخواہ اور روزی روٹی کے کام مشکل ہے

مگر موجودہ پرآشوب اور پرفتن دور میں جب کہ اساتذہ مدارس، ائمہ مساجد اور دعوتی کام کرنیوالوں کے لیے بہت سے امتحانات، بہت سی دشواریاں اور سوالات پیدا ہوگئے ہیں، اس انداز اوراس نہج پر کام کرنا ناممکن تو نہیں، مگر عملاً اور بادی النظر میں دشوار معلوم ہوتا ہے، یہاں بات کے دو پہلو ہیں: ایک تو یہ کہ جب ان حضرات سے جو اس نہج اور فکر کے مطابق کام کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں، ان سے کسی استاد، عالم، مفتی، قاری، حافظ صاحب امام صاحب کے سلسلہ میں بات چیت کی جاتی ہے، تو پہلا ان کا سوال جو ہوتا ہے وہ ہے کہ بھائی کتنی تنخواہ دیں گے؟ اگر وہ کہہ دیں کہ حضرت پچیس سو یا تین ہزار دیں گے، تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ بھائی یہ تو کم ہے، کم سے کم چار ہزار، چھ ہزار تو ہونے ہی چاہئے، ایک طرف تو ان کا یہ دعوی اور یہ تبلیغ ہے کہ یہ مدارس روزی روٹی کے لیے نہیں ہے، دوسری طرف کم پیسے میں آدمی دینے کے لیے تیار نہیں۔

اس لیے اچھی اور معیاری تنخواہیں دی جائیں

دوسرا یہ کہ جب کوئی استاذ، عالم، مفتی، قاری یا حافظ یا امام رکھا جاتا ہے، تو اس کو معمولی تنخواہ دی جاتی ہے، پچیس سو یا تین ہزار یا چار ہزار، مدارس کا عام معیار یہی ہے،

(١) سورہ شعراء آیت ١٦٤۔

جب کہ اس زمانہ میں گرانی آسمان کو چھورہی ہے، بظاہر اس تھوڑی تنخواہ میں کام بمشکل ہی چلتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ لوگ چلا رہے ہیں، مگر حقیقت میں تھوڑی تنخواہ کی بنا پر بہت سے کام ذمہ داری کے ساتھ نہیں ہو پاتے، اور استاذ سے جو خدمت اور کام مطلوب ومقصود ہے، اور جتنا اس کو کرنا چاہئے وہ نہیں کر پاتا، بلکہ بعض مرتبہ وہ اس میں انجانے میں، بعض مرتبہ جان بوجھ کر کوتاہی کرتا ہے، چشم پوشی اور خیانت کرتا ہے، اور بظاہر اس کا سبب تنخواہ کا کم ہونا ہے، یہی حال امام مسجد کا ہے، جو لوگوں پر اللہ کے عائد کردہ فریضہ کی ادائیگی کرارہا ہے، وہ کنڈم اور سستے سے سستا رکھا جاتا ہے، ایسی ہی وہ پھر نماز پڑھاتا ہے، اب ایسی شکل میں ارباب حل وعقد، مدارس کے ذمہ داران اور علماء امت غور کریں، کہ کیا شکل صحیح ہے، زمانہ کی تیز رفتاری، مسائل اور مشکلات کے انبار، ضروری اور غیر ضروری مشاغل، ایمان کی کمزوری، توکل واخلاص کی کمی، قرب قیامت اور کم ہمتی جیسے حالات کے پیش نظر کیا لائحہ عمل ہوسکتا ہے؟۔

دونکاتی فارمولہ

بعض حضرات کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ یا تو ہمارے طلبہ اور اساتذہ کو بالکل مخلص، صابر وشاکر اور تھوڑے پر قناعت کرانیوالا بنایا جائے، جیسا کہ پہلے لوگ تھے، تاکہ صبر وقناعت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دینی خدمات اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دے سکیں، یا پھر چونکہ زمانے میں وسائل کی کثرت اور مادیت کا دور دورہ ہے، تنخواہوں کا معیار اتنا بلند کیا جائے کہ اساتذہ اور ائمہ حضرات کا دل ادھر سے ادھر نہ بھٹکے اور وہ ایک اچھی معیاری زندگی گزار سکیں، دولفظوں میں یہ بات اس طرح بھی کہی جاسکتی ہے کہ یا زندگی کا معیار اچھا بنایا جائے، یا دینی ذہن اور توکل کا مزاج پورا بنایا جائے، اور دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو تو اس کی بھی کوشش کی جائے۔

مہتممین، مدرسین، طلباء کرام اور عوام کی سوچ اور ان کی ذمہ داری

مدارس کا تعلق چار قسم کے لوگوں سے رہا ہے

موجودہ زمانے میں کیا بلکہ ہر زمانے میں مدارس کا تعلق چار قسم کے لوگوں سے رہا ہے، ایک قسم کے لوگ تو وہ ہیں جن کا تعلق انتظامیہ سے ہے، جنہیں ناظم یا مہتمم کہا جاتا ہے، دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں، جو مدارس میں پڑھاتے ہیں، جن کو اساتذہ یا مدرسین کہا جاتا ہے، تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ان مدارس میں پڑھتے ہیں اور تعلیم حاصل کرتے ہیں، جن کو طلبہ اور متعلمین کہا جاتا ہے، اور چوتھی قسم عوام کی ہے، اس تحریر میں چاروں قسموں کے لوگوں کی سوچ وفکر اور نظریات کو پیش کرنے اور ان کی ذمہ داری کو یاد دلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پہلی قسم کے لوگ

مہتممین حضرات میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک تو وہ ہیں، جن کو چھوٹے یا بڑے، نئے یا پرانے کسی مدرسہ کا شوری نے یا انتظامیہ نے یا دوسرے بااختیار لوگوں نے مہتمم بنادیا ہو، دوسرے وہ جو خود ہی بانی ہوں، اور خود ہی مہتمم ہوں، پہلی قسم کے مہتممین حضرات کو ذرا سوچ سمجھ کے چلنا ہوتا ہے، کیونکہ ان کے اوپر شوری یا کمیٹی ہے، جس کی

وجہ سے ان کو اکثر معاملوں میں کمیٹی والوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے، نیز ان حضرات کو اپنے اہتمام کو بچانے کی تو ٹینشن ہوسکتی ہے، لیکن مدرسہ کے نظام کے سلسلہ میں، تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں، حصول زر کے سلسلہ میں اندرونی اور بیرونی معاملوں میں ان کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی، چونکہ انتظامیہ ایسے مسائل کے حل کے لیے موجود ہے، گوکہ اولاً مہتمم صاحب کو ان معاملات سے واسطہ پڑتا ہے، مگر ان کو سنبھالنے کے لئے کمیٹی کے افراد موجود ہیں۔

مہتمم کی اپنے مدرسے کے تئیں سوچ

البتہ وہ مہتممین حضرات جو خود ہی بانی ہیں، یا بانی نہ سہی مگر خود مختار ہیں، ان کے لیے یہ پہلو تو بہت خوش آئند ہے کہ وہ سیاہ وسفید کے مالک ہیں، اور اپنے اختیارات سے مدرسہ کو زیادہ سے زیادہ ترقی دیتے ہیں، تعمیری اعتبار سے بھی اور تعلیمی اعتبار سے بھی، اور حصول زر کے سلسلہ میں خوب تگ ودو کرتے ہیں، ہندوبیرون ہند کے بھی خوب سفر کرتے ہیں، اور ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ ان کے یہاں اچھی اچھی عمارات ہوں، شاندار مسجد ہو، بہترین مہمان خانہ ہو، طلبہ کی اچھی تعداد ہو، بہترین قراء حضرات ہوں، اچھے اساتذہ ہوں، تعلیم وتربیت کا عمدہ نظام ہو اور علاقے میں ادارہ کا ایک معیار قائم ہو، ان سب خوبیوں کے ساتھ پھر وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ کوئی مدرس یا طالب علم قانون کی خلاف ورزی نہ کرے، انتظامیہ کے خلاف ورزی نہ کرے، اور اگر کوئی اس کے خلاف کرتا ہے تو اس کے سلسلہ میں سخت نوٹس لیا جاتا ہے، جس سے بعض مرتبہ لوگ ایسے مہتمم کو ڈکٹیٹر کا لقب دیتے ہیں، غرضیکہ دونوں طرح کے مہتممین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے تحت چلنے والے ادارے خوب ترقی کریں، خوب نام روشن کریں یہ ان کی مشترکہ سوچ ہوتی ہے۔

مدرسہ میں مہتمم ہی گاڑی کا انجن ہوتا ہے

پھر مہتممین حضرات کی ذمہ داری چونکہ بڑی ہوتی ہے، اور بقول شخصے یہ ٹرین کے انجن ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے انجن طاقتور زیادہ ہوتا ہے، اس کا خرچہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح مہتممین حضرات کو چونکہ کام زیادہ کرنا پڑتا ہے، اور مہتمم کا مادہ چونکہ ھم ہے، جس کے معنی غم کے آتے ہیں، تو چونکہ ان حضرات کو رات دن ایک غم، ایک فکر اور ایک ہم لاحق ہوتا ہے، اس لیے یہ اپنے کام کو سمیٹنے کے لیے اور قوم کے پروگراموں کو بھی اٹینڈ کرنے کے لیے گاڑی میں سفر کرتے ہیں، رہائش بھی ان کی عمدہ ہوتی ہے، اور معیار زندگی بھی ذرا اچھا اور ممتاز ہوتا ہے، تو عوام تو بیچاری اعتراض کرتی ہی ہے، بعض مرتبہ مدرسین بلکہ بعض مرتبہ وہ طلبہ بھی جن کے لیے مہتممین حضرات مرتے ہیں، کھپتے ہیں، وہ بھی اعتراض کرتے ہیں، ان کے عہدے، ان کی ذمہ داری اور ان کی ٹینشن کو تو سمجھتے نہیں، ظاہر میں ان کی اس زندگی کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہتے ہیں، گوکہ بعض مرتبہ بعض مہتممین تھوڑا سا غلو بھی کر جاتے ہیں، اور اپنی سوسائٹی سے تھوڑا اونچا ہو جاتے ہیں، اس لیے لوگوں کو وہ برداشت نہیں ہوتے۔

راقم ایک جواب دیا کرتا ہے، معلوم نہیں سب کو اتفاق ہوگا یا نہیں، مگر بغیر معذرت کے عرض کیا جاتا ہے، کہ جب اہل دنیا میں کسی ایم پی، ایم ایل اے یا کسی بھی بڑے منصب وعہدے والے کے پاس رہنے کے والے کے ٹھاٹ ہوتے ہیں، دنیاوی اعتبار سے وہ خوب عیش کرتا ہے، لوگ اس کی کوٹھی، اس کی گاڑی دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ فلاں ایم پی صاحب، فلاں وزیر صاحب کا سکریٹری ہے، تو بھلا غور کرنے کا مقام ہے کہ جو خالق کائنات اور رب العالمین کا خلیفہ اور ممبر ہوگا، تو کیا اللہ تعالی اس کو ننگا، بھوکا مارے گا، وہ عیش نہیں کرسکتا، جو اللہ کے دین کی اشاعت کرنے والے ہیں، جو نبیوں

کے وارث ہیں وہ یونہی رہیں گے؟ ہرگز نہیں۔

لیکن جہاں تک اسلاف امت اور اکابرین ملت کا طرز اور طریق رہا ہے، وہ ہمیشہ سادہ رہا ہے، ان کے رہن سہن، طور طریق، طرز معاش ومعیشت اور عام زندگی میں وہی صبر، قناعت اور توکل رہا ہے، گوکہ اچھا لباس اختیار کرنا، اچھا مکان بنانا اور اچھا کھانا مذموم نہیں، اگر اللہ تعالی نے توفیق دی ہے، تو اس کی نعمت کے اظہار میں کوئی قباحت نہیں۔

مہتممین حضرات اور نظماء کی ذمہ داری

مہتممین حضرات اور نظماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مدرسہ کو انسانوں کی تربیت گاہ سمجھ کر اپنے آپ کو اس تربیت گاہ اور اس سے فیض اٹھانیوالوں کا خادم سمجھیں، اور اس عہدہ کو بڑی ذمہ داری سے نبھائیں، اس کو اللہ کا فضل سمجھیں اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ذرا بھی غفلت نہ برتیں، اساتذہ کی سہولت، طلبہ کی سہولت اور جملہ کارندوں اور مدرسے سے جڑے تمام افراد کا لحاظ کریں، اور اس سلسلہ میں اللہ سے ڈریں کہ کسی کے حقوق کی پامالی نہ ہوجائے، مال میں بھی حد درجہ احتیاط کریں، مدرسہ کی چیزوں کے استعمال میں بھی تقوی واحتیاط کو ملحوظ رکھیں کہ ذمہ دار کا اثر نیچے تمام عملے اور طلبہ پر پڑتا ہے، اس لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

دوسری قسم کے لوگ

دوسری قسم کے لوگ پڑھانے والے ہوتے ہیں، وہ اساتذہ یا معلمین اور مدرسین کہلاتے ہیں، ان میں بعض تو بہت ذمہ داری کے ساتھ اپنے کام کو سرانجام دیتے ہیں، مدرسہ میں پوری حاضری دیتے ہیں، طلبہ کی تعلیم وتربیت کی طرف پوری توجہ دیتے ہیں،

وقت پر وہ بچوں کو اٹھاتے ہیں، نماز پڑھاتے ہیں، اور پھر کلاس لیتے ہیں، مدرسہ کی ضروریات کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں، فصل کے موقع پر اور رمضان کے سیزن میں چندہ بھی کرتے ہیں، جان توڑ محنت اور جدوجہد کرتے ہیں، مدرسے کے کام کو اپنا کام سمجھتے ہیں، غرضیکہ اپنے مفوضہ امور کو اچھے انداز میں انجام دیتے ہیں، انتظامیہ سے بھی تصادم نہیں کرتے، مہتمم اور ناظم صاحب کی بات کو مان کر چلتے ہیں، اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے جس سے مدرسہ کو یا مدرسے کے مفاد یا نام کو نقصان پہنچے۔

کامیاب مدرسین کی پہچان

جن مدرسین میں للّٰہیت ہوتی ہے، اخلاص ہوتا ہے، وہ اپنے کام میں چوکس رہتے ہیں، مزاج میں خودداری بھی ہوتی ہے، مگر ملازمت اور مدرسی کے اصول کو بھی نبھاتے ہیں، اور جو مثل مشہور ہے کہ ''نوکری کے نو کام اور دسواں کام ہاں جی'' اس پر صد فیصد کامیاب، اور ''ڈیوٹی پہ رہے حاضر تو کیا کرے ناظر'' پر کاربند رہتے ہیں، ایسے اساتذہ ومدرسین کامیاب مدرسین کہلاتے ہیں۔

ناکارہ مدرسین کی پہچان

مگر بعض مدرسین جن پر خودداری کا بھوت سوار ہوتا ہے، وہ خودداری کے لفظ کو تو جانتے ہیں، مگر اس کے محل سے صحیح طور پر واقف نہیں ہوتے بلکہ ''وضع الشئ فی غیر محلہ'' کی بناپر وہ خودداری پر ظلم کرتے ہیں، اور اس کی آڑ میں انتظامیہ سے بھی ٹکراتے ہیں، طلبہ کے ساتھ بھی زیادتی کرتے ہیں، ان کی نفسیات کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، نہ صحیح تعلیم وتربیت کرتے ہیں، بات بات پر ان کو لعنت وملامت اور طعن وتشنیع کرتے ہیں، سزائے جسمانی یا نازیبا الفاظ کے ذریعہ سے سزاء روحانی دیتے ہیں، ایسے اساتذہ ومدرسین کی آواز اور چال چلن میں بھی اکڑ اور کبر

وغرور ہوتا ہے، بس وہ خود ہی خود ہوتے ہیں، نہ مدرسہ ان کے نزدیک قابل احترام، نہ انتظامیہ قابل ادب، نہ طلبہ قابل شفقت، ایسے مدرسین ان ٹرینڈ (UnTrained) اور ناکام گردانے جاتے ہیں، اور وہ چار دن یہاں اور چار دن وہاں وقت گزارتے ہیں، نہ ان سے پڑھائی صحیح ہوتی ہے، نہ چندہ ہی ڈھنگ سے ہوتا ہے، نہ وہ کوئی زیادہ اچھا تعمیری کام کرسکتے ہیں، ان کی سوچ اکثر مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجانا، انتظامیہ سے ٹکرانا، طلبہ پر زیادتی کرنا اور ڈنڈا بجانا ہوتا ہے، ایسے مدرسین صحیح نہیں ہیں۔

اساتذہ کی ذمہ داری

اس لیے تمام اساتذہ ومدرسین سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اپنے تمام مفوضہ امور کو صحیح طور پر انجام دیں، خود صحیح طور پر رہیں اور بچوں کی بھی صحیح طور سے تعلیم وتربیت کریں، اس سے اساتذہ کا بھی نام روشن ہوگا، اچھے شاگرد تیار ہوں گے، مدرسہ کا بھی معیار بنے گا، اس کے برخلاف اگر اساتذہ اپنی طرف سے تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں کوتاہی کریں گے، تو نہ تو طلبہ اور شاگرد ہونہار ہوں گے، اور نہ ہی کوئی معیار بن پائے گا، نہ مدرسہ کا نام روشن ہوگا، نہ ایسے اساتذہ کا کوئی وقار اور عزت ہوگی، اخروی اعتبار سے بھی اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا، پھر پچھتانا کام نہ آئے گا۔

تیسری قسم کے لوگ

تیسری قسم مدارس میں پڑھنے والوں کی ہیں، جن کو طلبہ کہتے ہیں، جن کے لیے سمندر کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں، فرشتے ان کے لیے پر بچھاتے ہیں، مہمانان رسول ان کو کہا جاتا ہے، ان میں سے بعض تو واقعی حقیقی طالب علم ہوتے ہیں، جن کا کام پڑھنا، اساتذہ کی خدمت کرنا اور اپنے کام سے کام رکھنا ہوتا ہے، وہ اپنا سبق یاد کرتے

ہیں، مطالعہ و مذاکرہ کرتے ہیں، مدرسہ کے قانون کی پاسداری اور لحاظ کرتے ہیں، ذمہ داروں اور اساتذہ کی عزت کرتے ہیں، اور مدرسے کے علاوہ خارجی سرگرمیوں میں کوئی حصہ نہیں لیتے، اپنے بڑوں، اساتذہ اور ذمہ داروں پر کوئی اعتراض وتنقید نہیں کرتے، جس کی وجہ سے ان کے لئے خود بخود اساتذہ وذمہ داروں کی دعائیں نکلتی ہیں اور وہ کامیاب ہوتے ہیں، مستقبل کے امام، مقتداء اور پیشواء بنتے ہیں، امت کی قیادت کرتے ہیں، اپنا اور اپنے اساتذہ اور مدرسہ کا نام روشن کرتے ہیں۔

نام کے طالب علم

لیکن بعض مرتبہ طلبہ نام کے ہوتے ہیں، شیطان کا ان پر غلبہ ہوتا ہے، وہ ذہین بھی ہوتے ہیں، سبق بھی خوب یاد کرکے سناتے ہیں، استاد کی تقریر بھی جوں کی توں ازبریاد کرلیتے ہیں، مگر شیطانی وساوس اور شیطانی اثرات کے غلبہ کی بنا پر وہ معقول اور مطیع وفرمانبردار طالب علم نہیں رہ پاتے؛ بلکہ شر ان کے رگ وپے میں گھس جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اکثر طلبہ کے ساتھ بھی جھگڑا کرتے رہتے ہیں، اساتذہ کو بھی کم صلاحیت بلکہ بعض مرتبہ بوکس سمجھتے ہیں، اور انتظامیہ سے بات بات کی شکایت اور اعتراض کرتے رہتے ہیں، ایسے طلبہ اکثر ناکام رہتے ہیں، ان کے مدرسے سے جانے کے خود بخود اسباب بن جاتے ہیں، بعض مرتبہ وہ خود چلے جاتے ہیں، بعض مرتبہ کوئی ان کی طرف سے ناخوشگوار واقعہ پیش آجاتا ہے، ان کا اخراج ہوجاتا ہے، بعض مرتبہ مدرسے کی دیواریں خود ان کو قبول نہیں کرتیں اور وہ چلے جاتے ہیں، علم ان کی قسمت میں نہیں ہوتا، اگر کچھ تھوڑا بہت حاصل ہو بھی گیا ہو، تو وہ مثمر، مفید اور کارآمد نہیں ہوتا، بلکہ وہ ضائع ہوجاتا ہے، اور بہت سوں کو ضائع کرنے کا سبب بن جاتا ہے، تو طلبہ بھی ہر سوچ کے ہوتے ہیں، اچھی سوچ کے بھی اور بری سوچ کے بھی۔

طلبہ کی ذمہ داری

اس لیے طلبہ عزیز اپنے وقت کی قدر کریں، اپنے اساتذہ اور ذمہ داروں کا احترام کریں، اس لیے کہ یہ علم تواضع، عاجزی، انکساری، اپنے کو مٹانے اور اپنے بڑوں کا ادب کرنے سے آتا ہے، مدرسہ کے اوقات کو غنیمت جانیں، زندگی کے یہ لمحات بہت قیمتی ہیں، جب یہ بیکار ضائع ہوجائیں گے، پھر واپس نہیں ملیں گے، اس لیے طلبہ وقت کی بھی قدر کریں اور مدرسہ کے متعلق جملہ چیزوں کی بھی عزت کریں، حرام سے بچیں، حلال کو اختیار کریں، گناہوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں، اگر ہوجائیں تو توبہ کریں، اس لیے کہ علم اللہ کا نور ہے، اور اللہ تعالی اپنا نور گنہ گار بندوں کو نہیں دیا کرتا، اس لئے طلبہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔

چوتھی قسم کے لوگ

چوتھی قسم عوام کی ہے، جن میں تجار بھی آتے ہیں، دنیوی تعلیم یافتہ بھی آتے ہیں، اور جو بالکل جاہل ہیں، وہ بھی آتے ہیں، تو جہاں تک تجار کا تعلق ہے، ان میں بھی دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، ایک تو دیندار ہوتے ہیں، جن کا علماء سے، مدارس سے تعلق ہوتا ہے، اور وہ مدارس کا تعاون کرتے ہیں، مدارس ان کے تعاون سے چل رہے ہیں، یہ لوگ اچھی سوچ کے حامل ہوتے ہیں، زکوۃ بھی ادا کرتے ہیں، صدقہ بھی دیتے ہیں اور امداد بھی کرتے ہیں، مدارس بھی تعمیر کراتے ہیں، اور مساجد بھی، غرباء کا بھی خیال کرتے ہیں اور نادار طلبہ کی بھی کفالت کرتے ہیں، ایسے تجار کے لیے بشارتیں ہیں، اور وہ کامیاب ہیں، بعض تجار وہ بھی ہیں، جن کی تجارت تو اچھی ہے مگر ان میں دینداری نہیں، ان کو مدارس سے کوئی خاص تعلق نہیں، کبھی کسی کا تعاون کردیا، ورنہ ان کا مزاج

نہیں، ایسے تجار کے لیے سخت وعیدیں بھی ہیں، وہ بھلے ہی اپنے آپ کو کامیاب سمجھتے ہوں، مگر وہ حقیقت میں ناکام اور نامراد ہیں۔

دنیوی تعلیم یافتہ لوگ

دنیوی تعلیم یافتہ لوگوں میں کچھ دینی ذہن رکھتے ہیں، مدارس سے ان کا جوڑ ہوتا ہے، علماء سے تعلق بھی رکھتے ہیں، فکر بھی ان کی مستقیم ہوتی ہے، سوچ میں کجی نہیں ہوتی، ایسے حضرات بھی مدارس کے خیر خواہ ہوتے ہیں، یا خیر خواہ نہ بھی ہوں مگر مدارس سے چڑتے نہیں ہیں، دیندار لوگوں سے بیر نہیں رکھتے، علماء سے خار نہیں کھائے ہوتے، یہ بھی صحیح ہیں، مگر بعض ایجوکیٹیڈ، دنیوی تعلیم یافتہ، مدارس، اہل مدارس اور علماء کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، وہ اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں، اور ان کا مبلغ علم اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ صحیح چیز کو سمجھ سکیں، بعض مرتبہ وہ دینی کاموں کے لیے زہر قاتل ہوتے ہیں، اللہ تعالی ان سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، اس لیے کہ جاہل کی تلوار اتنی اثر انداز نہیں ہوتی جتنی ایجوکیٹیڈ سمجھے جانے والے کی اثر انداز ہوتی ہے۔

بے علم افراد کی سوچ

بالکل جاہل افراد میں بھی دو طرح کے ہیں، ایک تو دین دار ٹائپ کے، جو ظاہر میں دینی باتوں کا لحاظ کرتے ہیں، نماز روزہ کرتے ہیں، یا تبلیغ سے جڑے ہوتے ہیں، وہ بھی مدارس کے بارے میں اچھی سوچ رکھتے ہیں، یہ بھی ٹھیک ہیں، لیکن بعض اس ظاہری دینداری والے ایسے بھی ہیں جو مدارس سے اور علماء کرام سے خدائی بیر رکھتے ہیں، بیٹھکوں اور عام مجلسوں میں ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اور استہزاء کرتے ہیں، اور مختلف ایسے القاب سے علماء واہل مدارس کو پکارتے ہیں جن میں تمسخر وحقارت کا پہلو غالب رہتا ہے، ایسے ظاہری دینداروں کی ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں، بعض وہ جہلا جن کو

اپنی روزی روٹی کمانے کی دھن کے علاوہ کوئی دوسری دھن ہے ہی نہیں، وہ نہ مدارس وعلماء کے موافق نہ مخالف، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اللہ تعالی ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا، اللہ کو معلوم ہے، ان کے واقف نہ ہونے کی وجہ سے پکڑ بھی سکتا ہے، اور جہالت کی بنا پر چھوڑ بھی سکتا ہے۔

عوام کی ذمہ داری

غرضیکہ عوام چاہے پڑھی لکھی ہو یا ان پڑھ ہو، اگر عوام نے اپنا رابطہ مدارس اور اہل مدارس سے رکھا اور زندگی کے ہر شعبہ میں مدارس اور اہل مدارس کی ضرورت سمجھی، اور مدارس سے فائدہ اٹھایا، تو انشاء اللہ عوام کی نیا پار ہو جائے گی، اس لیے کہ امت کی اور عام مسلمانوں کی نیا کو پار لگانے والے علماء مدارس اور مدارس دینیہ ہی ہیں، اور مسلمانوں کی بھی مدارس کے تئیں ڈبل ذمہ داری ہے، ایک تو مدارس سے تعلق، مدارس کا مادی تعاون، اور پھر مدارس میں اپنے بچوں اور جگر گوشوں کو بھیج کر دینی تعلیم سے واقف کرانا، یہ بھی عوام کی ذمہ داری ہے، اگر اس سے عوام نے تہی دامنی اور پہلو تہی اختیار کی، تو مسلمانوں کو اس کا بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا، جس کی تلافی آسان نہ ہوگی۔

بہر حال اس تحریر میں امت کے چاروں طرح کے افراد کا تھوڑا سا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، اور ان کی کچھ ذمہ داری یاد دلائی گئی ہے، خدا کرے کہ ہر آدمی اپنی ذمہ داری اور مدارس دینیہ کی اہمیت کو سمجھے، اللہ تعالی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

طلبہ مدارس کا مقام ومرتبہ اور ان کی ذمہ داری

طالب علم کی عالی نسبت اور ذمہ داری

طالب علم کوئی بھی ہو وہ ایک قیمتی جوہر ہے، اور پھر کوئی اگر ایسے علم کا طالب ہو جس سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہو، جس سے خالق کائنات کے حقوق معلوم ہوتے ہوں، معاشرت اور معیشت کا طریقہ اور مخلوق خدا کے حقوق معلوم ہوتے ہوں، قرآن وحدیث کی تعلیمات کا علم ہوتا ہو، تو اس کی رفعت وبلندی اور اس کی عظمت وتقدس اور اس کی اہمیت ووقعت زیادہ ہو جاتی ہے، اور وہ طالب علم ایسے مدارس کا ہو، جن مدارس کا شجرہ نسب صفہ نبوی سے ملتا ہو، تو جہاں ایسے مدارس کی اہمیت بڑھ جاتی ہیں، وہیں ان سے زیادہ ان طالب علموں کی بڑھ جاتی ہیں، جو ان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ مہمانان رسول ہیں، سمندر کی مچھلیاں ان کے لیے دعائیں کرتی ہیں، فرشتے ان کے لیے پر بچھاتے ہیں، تو چونکہ ان طلبہ کی نسبت عالی ہے، اس لیے ذمہ داری بھی ان کی زیادہ بڑھ جاتی ہے، پڑھنے کے اعتبار سے بھی اور کام کرنے کے اعتبار سے بھی، غرضیکہ تعلیم وتربیت کے اعتبار سے ان کی ذمہ داری دوگونہ ہو جاتی ہے۔

تعلیم میں محنت ہونی چاہئے

اس لیے تعلیم میں محنت ہونی چاہئے، اگر قرآن شریف حفظ کر رہے ہیں، تو بہترین

قرآن یاد ہونا چاہئے، تلفظ صحیح، صحت کے ساتھ ادائیگی، تجوید کی بھرپور رعایت ہو، گویا کہ بہترین حفظ، بہترین قرأت اور حسن اداء ہونی چاہئے، اردو میں مہارت ہو، ابتدائی ضروری مسائل سے واقفیت ہو، اگر عربی تعلیم یعنی عالمیت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، تو صرف ونحو کی طرف ابتداء ہی سے توجہ ہونی چاہئے، عربی انشاء اور تعبیر کی طرف خاص طور سے دھیان ہونا چاہئے، تمام علوم میں مہارت کے ساتھ عربی زبان پر قدرت ہونی چاہئے، اس میں بعض ناواقف کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن کی تفسیر بھی آتی ہے، حدیث کی تشریح بھی اور فقہی مسائل بھی معلوم ہیں، بس عربی پر قدرت نہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، عام ماحول یہی ہے۔

عربی زبان کا بولنا بھی سنت ہے

بعض آدمی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو بیان کرتے ہیں کہ حضور ایسا کرتے تھے، ایسے کھاتے تھے، ایسے پیتے تھے، ایسے چلتے تھے، ایسے سوتے تھے، ایسے معاشرے میں رہتے تھے، ایسے لوگوں کے ساتھ پیش آتے تھے؛ لیکن ایک سنت کو بھول جاتے ہیں، یہ نہیں بتلاتے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان میں گفتگو فرماتے تھے، عربی بولنا اور حضور کی زبان میں گفتگو کرنا بھی سنت ہے، اگر کہیں کسی ادارے میں جاکر صرف عربی بولنا بھی آجائے، اور وہ عربی کو سنت سمجھ کر یا قرآن وحدیث کی زبان سمجھ کر بولے، تو یہ بھی عبادت ہے، یہ بھی سنت ہے، اس پر بھی ثواب ملے گا۔

بعض حضرات ایسے ہیں کہ اگر ان کو عربی کی اہمیت اور سنیت بتلائی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ عربی بولنا نہ ضروری اور نہ اہم ہے، اس لیے کہ عربی تو ابوجہل بھی بولتا تھا، ابولہب بھی بولتا تھا، ایسے حضرات یہ بھول جاتے ہیں کہ ابولہب اور ابوجہل کا عربی بولنا بغیر ایمان کے تھا، اس لیے اہم نہیں، اگر ایمان ان کے ساتھ ہوتا، تو وہ صحابیت کے مقام کو پہنچ جاتے اور پھر دنیا کے تمام ولی ان کے برابر نہ ہوسکتے تھے۔

عربی سیکھنے سے نبی کی سنت زندہ ہوتی ہے

ہمارے طلبہ تو اہل ایمان ہیں، مسلمان ہیں، ان کا عربی بولنا، عربی پڑھنا، عربی سمجھنا، یہ دعوت دین کے لیے ہیں، قرآن وحدیث کی اشاعت کے لیے ہے، اور سب سے بڑھ کر اپنے نبی کی سنت کو زندہ کرنے کے مرادف ہے، حضور کی حدیث ہے: ”مَنْ اَحْیاَ سُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِأَةِ شَهِیْدٍ“ کہ جب کوئی میری سنت کو ایسے زمانے میں زندہ کرے گا جب سنتوں کو پامال کیا جارہا ہوگا، امت میں فساد برپا ہوگا، تو اس وقت ایک سنت کو زندہ کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، اب ہندوستان جیسے ماحول میں اگر عربی اسی نیت سے پڑھے، اس کو سنت سمجھے، تو انشاء اللہ اس کو بھی سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، تو ہمارے طلبہ کو اس کی طرف خاص طور سے دھیان دینے کی ضرورت ہے، طلبہ کے اساتذہ، ذمہ داران اور وارثین کو اس نہج پر سوچنے کی ضرورت ہے، اور طلبہ کی بھرپور صلاحیت بنانے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندی، سنسکرت اور انگریزی زبان کی طرف بھی توجہ دیں

اگر کوئی طالب علم ہندی، سنسکرت یا انگریزی پڑھ رہا ہے، تو اس میں اعلی صلاحیت بنانے کی ضرورت ہے، ہندی (دیوناگری) ہمارے ملک کی مادری زبان ہے، اور سنسکرت یہاں کی قدیم مذہبی زبان ہے، اس لیے ہندی وسنسکرت سے فائدہ اٹھا کر غیر مسلموں میں دعوت کا خوب کام کیا جاسکتا ہے، اور انگریزی زبان کو تو انٹرنیشنل زبان سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس کی طرف اور زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، اس لیے پوری دلچسپی سے تعلیم حاصل کریں، باقی جو بھی علوم وفنون مدارس میں پڑھائیں جاتے ہیں، ان کو دلجمعی کے ساتھ حاصل کرنا چاہئے۔

مدرسہ کے کاموں میں بھی حصہ لینا چاہیے

چونکہ یہ سارا عمل مدرسوں کے اندر ہوتا ہے، اور مدررسہ نام ہے، طلبہ اور اساتذہ کا، پڑھنے پڑھانے کا، تعلیم وتربیت کا اور تعمیری درودیوار کا، اس لیے مدرسے کے کاموں میں بھی حصہ لینا چاہیے، گوکہ کہنے میں وہ مدرسہ کے کام ہیں، مگر فائدہ اور نفع ان کاموں کا بالواسطہ اور بلاواسطہ تمام طلبہ اور اساتذہ کو ہی پہنچتا ہے، اگرچہ اس زمانے میں انتظامیہ کی طرف سے طلبہ کے لیے اتنی سہولتیں ہوگئی ہیں جن کی کوئی حد نہیں، جس کے نتیجے میں طلبہ میں کسل وسستی، مدرسہ کے کاموں میں عدم توجہی اور دلچسپی نہ ہونا عام بات ہوگئی ہے، حالانکہ پہلے طلبہ پڑھتے بھی تھے، مطالعہ بھی کرتے تھے، اپنے اساتذہ کی خدمت بھی کرتے تھے، اپنے لیے خرچ کا انتظام بھی کرتے تھے، کھانا بھی بناتے تھے، پانی کا بھی نظم کرتے تھے، اور مدرسہ کی دوسری ضروریات کا بھی۔

سب انتظام ہونے کے باوجود نہ تعلیم میں دلچسپی نہ مدرسہ کے کاموں میں

اب الحمدللہ سب کچھ انتظام ہے، روشنی کے لیے بجلی ہے، جنریٹر ہے، انویٹر ہے، گیس ہے، پانی کے لئے ٹنکی کا انتظام ہے، ہینڈ پمپ ہے، پڑھنے کے لیے درس گاہیں پختہ ہیں، ان میں روشنی ہے، پنکھے لگے ہوئے ہیں، پختہ فرش ہے، پھر ان پر قالین ہے، بہترین انتظام ہے، کھانا بنانے کے لیے باورچی ہے، ان تمام سہولیات کے باوجود کبھی طلبہ کو سالن میں نمک مرچ کم یا زیادہ ہونا پسند نہیں، لائٹ کا چلا جانا بار خاطر ہوتا ہے، ٹنکی کا پانی ختم ہونے پر ہینڈ پمپ چلانا دشوار معلوم ہوتا ہے، صفائی کرنا یہ بھی طبیعت پر گراں ہوتا ہے، یہاں تک کہ اذان دینا، تکبیر پڑھنا، جماعت کرادینا بھی مشکل کام

معلوم ہوتا ہے، تمام تر سہولیات کے باوجود نہ تعلیم میں دلچسپی اور نہ ہی مدرسہ کے کسی کام میں معاونت۔

اذان دینے کے لیے بھی طبیعت آمادہ نہیں

راقم نے ایک مرتبہ اپنے ادارہ میں شعبہ انگریزی میں پڑھنے والے فضلاء اور علماء کرام سے چند علماء کو اذان کے لیے منتخب کرنا چاہا کہ جس کی آواز بلند ہو، اچھی ہو، تلفظ صحیح ہوں، وہ ایک ایک وقت کی اذان دیدیں، ۲۷/ طلباء جو علماء کرام ہیں، ان میں صرف ۲/ تیار ہوئے، مگر فجر کی اذان کے لیے کوئی تیار نہ ہوا، اب آپ اندازہ لگائیے، طلبہ اور علماء کو تمام سہولیات مہیا کرکے مدرسہ کے ماحول میں کوئی دو وقت کی اذان دینے کے لیے تیار نہیں اور فجر کی اذان سے تو انکار ہی کردیا، چنانچہ میں نے یہ اعلان کیا اگر کوئی پانچ وقت کی اذان دے سکتا ہو وہ کھڑا ہو، ورنہ تو کوئی کرایہ کا لایا جائے گا، تو ایک عالم کو غیرت آئی، وہ کھڑے ہوئے اور پانچ وقت کی اذان کے لیے تیار ہوئے، مگر بعد میں وہ بھی نبھا نہ سکے اور صاف انکار کردیا، پھر ایک طالب علم نے فجر کی ذمہ داری لی مگر وہ بھی پیچھے ہٹ گئے اور صاف انکار کردیا، اللہ رحم کرے، اور جب کہ انہیں فضلا کا یہ حال ہے کہ ایک دن لائٹ خراب ہوجائے، ایک دن روٹی تھوڑی سی جل جائے، یا کسی دن دال میں نمک کم رہ جائے تو صبح ہی شکوہ شکایات کے لیے آجاتے ہیں، تو اب کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ دینی کام کریں گے۔

طلبہ اپنی حیثیت کو سمجھیں

اس لیے طلبہ عزیز سے گزارش ہے کہ وہ اپنا مقام ومرتبہ سمجھیں اور غور کریں کہ قوم کو، اہل مدارس کو، اساتذہ اور سرپرستوں کو ان سے کیا کیا امیدیں وابستہ ہیں، اور وہ کیا

کرنا چاہتے ہیں، اس لیے وہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی حاصل کریں، اپنا مقام بھی سمجھیں، اخلاقیات کی بھی تعلیم لیں اور اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھیں، اپنے محسنوں، کرم فرماؤں، اساتذہ اور ذمہ داران سے بھی تعلق رکھیں، ایک طالب علم نے ہمارے یہاں عربی کی دو سال تعلیم حاصل کی، عربی سوم اور چہارم پڑھی، دونوں سالوں میں یہ بدعنوانی کی، کہ سالانہ امتحان میں شریک نہ ہوکر بغیر چھٹی کے گھر چلا گیا اور دو سال پڑھ کر پھر کسی دوسرے مدرسے میں ششم یا ہفتم میں داخلہ لے لیا، پھر وہ سال میں دو مرتبہ ہمارے ادارے میں اپنے ایک ساتھی سے ملنے آیا، اور وہاں رہا، مگر ملاقات تو کیا دعا وسلام تک بھی نہ کیا، ایک مرتبہ اچانک ان کو سامنا ہونے پر سلام کرنا پڑا، تب اس کو کچھ احسان شناسی کی باتیں بتلائی، مگر اس زمانے میں مانتا کون ہے۔

راقم بھی چونکہ ایک طالب علم ہے، اس لیے اپنے تمام طلبہ ودوستوں سے گزارش کرتا ہوں کہ اپنے مقام ومرتبہ کو پہنچانو! اور ہوش کے ناخن لو، بس اللہ ہی ہمارا اور آپ کا حافظ ونگہبان ہے، اور وہی ہمیں سیدھی راہ پر گامزن کرنے والا ہے، اللہ تعالی ہمیں سچائی، ایثار وقربانی کی دولت سے نوازے۔ آمین

بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اساتذہ اور اہل مدارس کی ذمہ داری

صحیح تعلیم وتربیت کی کمی کی بعض وجوہات

آج کل مدارس اسلامیہ ومکاتب دینیہ میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں بڑی کوتاہی ہورہی ہے، ذمہ دار چاہتا ہے کہ اس کے یہاں بہترین تعلیم ہو، بہترین تربیت ہو، بہترین نظم ہو، مگر اس چاہنے کے باوجود وہ کم ہی کامیاب ہو پاتا ہے، اس کی کچھ وجوہات ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق اساتذہ سے ہے اور بعض کا تعلق ذمہ داران سے ہے، پرانے اور بڑے مدارس تو اپنی پرانی ڈگر پر چل رہے ہیں، وہاں تو اساتذہ وہی قدیم اور پرانی سوچ کے حامل ہیں، وہ زیادہ تگ ودو کر بھی نہیں سکتے، اور اس کی عادت بھی ان کو نہیں ہے، البتہ نئے مدارس جو کھل رہے ہیں، جن کے ذمہ دار نئے عمر کے نوجوان اور نئے فارغین ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ تعلیم وتربیت کا نظام اچھا ہو، اور ان کے مدرسہ کی کارکردگی اور تعلیمی معیار بلند ہو، اس میں بہت سے تو کامیاب ہیں، اور بہت سے اپنی نااہلیت اور عدم واقفیت اور اچھے اساتذہ نہ ملنے کی وجہ سے ناکام ہیں، بہرحال اس تحریر میں کچھ ایسی ہدایات اور باتیں پیش کی جارہی ہیں جن سے بہت سے طالبین حق اور حقیقت پسند فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور اپنے یہاں اچھی تعلیم وتربیت کا نظم قائم کرسکتے ہیں۔

طرز تعلیم سے واقف مہذب و مستعد استاذ کی ضرورت

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مہذب، تجربہ کار، بردبار، طرز تعلیم سے واقف اور مستعد حافظ قرآن استاذ کی ضرورت ہے، کیونکہ ابتدائی تعلیم کے بچے کے لیے بنیادی حیثیت کا درجہ رکھتی ہے، استعداد کے بننے اور بگڑنے کا یہی موقع ہے، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ بچوں کی تعلیم، قرآن مجید کے لیے اکثر کم علم اور ناتجربہ کار معلم مقرر کئے جاتے ہیں، جو خود اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتے ، وقت کی ناقدری، علم دین سے بے رغبتی ، فرض منصبی سے بے اعتنائی برتتے ہیں، اخلاق واخلاص سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، بھلا اس طرح کے معلم اور استاذ سے کیا امید کی جاسکتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس تعلیم کو آسان اور ادنی کام سمجھ لیا گیا ہے، معلم بھی کم علم، غیر مہذب جو تھوڑی سی تنخواہ پر سستے داموں میں ملے، اسے غنیمت سمجھتے ہیں، ایسے معلم قاعدوں کو صحیح سے نہیں پڑھاتے، جس سے قرآن مجید رواں پڑھنے کی استعداد ہو، اس طرح قرآن مجید کی تعلیم میں وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے، لیکن پھر بھی نہ صحت لفظی ہوتی ہے اور نہ رواں ہی چلتا ہے، پس ایسی صورت میں اس کی ضرورت ہے کہ ابتدائی تعلیم کے لیے معلم، صاحب لیاقت، حافظ قرآن، مہذب، بردبار اور طرز تعلیم سے واقف منتخب کیا جائے اور اسے معقول تنخواہ دی جائے، تاکہ نونہالان قوم کی زندگی سو فیصد درست ہوجائے اور استاذ و معلم اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہوجائیں اور آخرت کی پکڑ سے بھی بچ سکیں۔

بچوں کو فطری انداز میں تعلیم دینی چاہئے

بچوں کو فطری انداز میں تعلیم دینی چاہئے، آپ دیکھتے ہیں کہ بچے کی والدہ اس کی استانی ہوتی ہے، جو بچہ کو قدرتی اور فطری طور پر تعلیم دیتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

تین چار سال میں بچہ کھانا، پینا، بیٹھنا، اٹھنا، چلنا پھرنا اور بولنا نیز اپنی فطری ضروریات اپنی مادری زبان میں سبھی کچھ سیکھ جاتا ہے، لیکن وہی بچہ پیدائش کے دن اگر اس کو لاکھ مرتبہ بتایا جاتا کہ یہ تیری والدہ ہے، وہ آواز تو سنتا مگر مطلب بالکل نہ سمجھتا، اب ایک مرتبہ بتانے سے معلوم کرلیتا ہے، کہ یہ ماموں ہے، یہ خالہ ہے وغیرہ وغیرہ، غور کرنے کا مقام ہے کہ والدہ نے ایسے بے سمجھ اور کم استعداد بچہ کو تین چار سال میں روزمرہ کی ضروریات سے پورا واقف بنادیا، لیکن ایسے واقف بچے کو اگر کسی معلم نے تین چار سال کے عرصہ میں صحت کے ساتھ قرآن مجید بھی حفظ نہ کرایا تو کتنا افسوس ہے۔

غلط طریقہ تعلیم سے بچے کند ذہن ہوجاتے ہیں

اکثر بچے کند ذہن نہیں ہوتے بلکہ غلط طریقہ تعلیم انہیں کند ذہن بنادیتا ہے، بہت سے اساتذہ جو طریقہ تعلیم سے ناواقف ہوتے ہیں، اپنی جہالت چھپانے کے لیے بچوں پر الزام لگایا کرتے ہیں کہ یہ لڑکے بالکل غبی اور کند ذہن ہیں، ہاں بچے اگر کند ذہن ہیں، تو خود معلم کند ذہنوں کے استاذ ہیں، یعنی ان کی تعلیم کی بدولت وہ کند ذہن ہوگئے، جیسے پیدائش کے وقت بچہ شاذ ونادر ہی اندھا، لولا، لنگڑا اور بہرہ ہوتا ہے، اسی طرح شاذ ونادر ہی کوئی بچہ کند ذہن ہوتا ہے، مگر اس کے کیا معنی ہیں کہ بعض معلموں کے اکثر شاگرد غبی اور کند ذہن ہوتے ہیں؟ یہ انہیں کی تعلیم کا نتیجہ ہے جسے وہ خود نہیں سمجھتے، اور سمجھانے سے برا مانتے ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے بچپن میں ہوشیار اور ذہین ہوتے ہیں، ان میں تقلید اور نقل کرنے بلکہ نقل کو اصل بنانے کا شوق ہوتا ہے، اپنے مربی اور عزیزوں کو جو کام کرتا دیکھتے ہیں، خود اس کے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ وہ کام ان کی طاقت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، مگر طبیعت اور ہمت کے کمزور ہوتے ہیں، ذراسی دیر میں ایک کام کو چھوڑ کر دوسرا شغل اختیار کرلیتے ہیں، اس سے یہ نتیجہ

پیدا ہوتا ہے کہ کیسا ہی دلچسپ مشغلہ ہو، بچے زیادہ دیر تک اس میں مشغول نہیں رہ سکتے، لہٰذا تعلیم میں بھی صبح سے شام تک ایک ہی مضمون سے بچے خوش نہیں رہ سکتے، اگر قرآن مجید کے سبق کے بعد اردو لکھنا پڑھنا بھی ساتھ ساتھ سکھایا جائے یا کچھ وقفہ دیا جائے تو بچے خوش رہتے ہیں، اگر بچوں کے کسی کام کی تعریف کی جائے تو بہت ہی مسرور ہوتے ہیں، اور بار بار اس کام کو کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی ہمارے کام کی داد دے اور تعریف کرے، بس اگر کوئی داد نہ دے اور تعریف نہ کرے تو ان کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں۔

چھوٹے بچے ذہین وفطین اور ہوشیار ہوتے ہیں

بچوں میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہوتی، اس لیے دوسروں کو بھی سچا جانتے ہیں؛ لیکن دوسروں کو جھوٹ بولتا ہوا یا دھوکہ اور فریب دیتا ہوا دیکھتے ہیں تو خود بھی جھوٹ بولنے اور فریب کرنے لگ جاتے ہیں، یہ تمام باتیں ان کی ہر طرح کی قابلیت اور استعداد پر دلالت کرتی ہیں، مگر افسوس کہ ان کی اس قابلیت سے کام نہ لے کر یا بے قاعدہ تعلیم دے کر ان کی سب لیاقت اور استعداد برباد کردی جاتی ہے، یہ چھوٹے بچے ذہین و فطین اور ہوشیار ہوا کرتے ہیں، اور بڑے ہوکر کند ذہن اور غبی بن جاتے ہیں، کیسی تعجب کی بات ہے کہ جہاں چھوٹی عمر میں لکھنے پڑھنے کی بڑے شوق سے نقل اتارا کرتے تھے، اب وہ پڑھنے سے دور بھاگتے ہیں، تو اس میں ان کی کمی نہیں بلکہ استاذ و معلم کی ہے کہ انہوں نے ان بچوں کے ذہن کو ایسا بنا دیا ہے، کہ اگر پڑھو گے نہیں تو بہت پٹائی ہوگی، اس لیے بچے اب استاذ کو دیکھ کر ایسا بھاگتے ہیں جیسے گیدڑ شیر کو دیکھ کر بھاگتا ہے، اب ظاہر ہے کہ جب بچہ استاذ سے ڈر کر بھاگتا ہے تو تعلیم سے دور بھاگنا یقینی ہے، اس کا زیادہ تر باعث طریقہ تعلیم کا ہی نقص ہے، بس جو معلم بچوں کو مار پیٹ کر پڑھاتے ہیں، وہ طریقہ تعلیم سے واقف نہیں، دراصل وہ اپنی لاعلمی کا غصہ ناحق بچوں پر نکالتے

ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہیں، مار سے بھاگنا طبعی امر ہے، پس مار کر پڑھانے والے معلم بچوں کو تعلیم سے بھگاتے، علم سے نفرت دلاتے ہیں اور بچوں پر ناحق الزام لگاتے ہیں۔

مکاتب ومدارس میں کن چیزوں کی کمی؟

ہمارے مکاتب ومدارس میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لڑکوں کے پاس قاعدہ نہیں، اگر قاعدہ ہے تو تختی نہیں، تختی ہے تو دوات نہیں، یا دوات میں سیاہی نہیں، سیاہی ہے تو قلم نہیں، مکتب میں لڑکے ہیں مگر ان کے بیٹھنے کے لیے بوریا یا ٹاٹ نہیں، نہ اساتذہ کو ان باتوں کی طرف توجہ ہے، نہ بچوں کے سرپرستوں ہی کو خیال ہے، اکثر جگہ قابل اور لائق معلم نہیں، نہ طرز تعلیم درست ہے، نہ کوئی تعلیم کا نصاب مقرر ہے، بچوں سے تعلیم کے وقت یا اس کے بعد ایسے کار خدمت لیے جاتے ہیں، جو بچوں اور ان کے سرپرستوں کو ناگوار معلوم ہوتے ہیں، اکثر مکاتب میں سزائے جسمانی کا زیادہ استعمال ہے، بعض معلم باوجود تنخواہ پانے کے بچوں اور ان کے والدین سے کچھ نہ کچھ مانگتے اور فرمائش کرتے رہتے ہیں، بعض اساتذہ اپنا پورا وقت تعلیم میں خرچ نہیں کرتے، مدرسہ میں بیٹھے بیٹھے اپنا ذاتی کام کرتے رہتے ہیں، یا بچوں کو بے محافظ چھوڑ کر کہیں چل دیتے ہیں، اور بچوں کو دنگہ شرارت کرنے کا موقع مل جاتا ہے، اسی سبب سے سزائے جسمانی کی ضرورت پڑتی ہے، ایسی ہی وجوہات سے علم دین کی کمی اور عوام کی نظروں میں دینی مکتبوں کی بے قدری ہورہی ہے۔

استاد مستقل مزاج اور ضابطے کا پابند ہو

بہر صورت معلم لائق، رحم دل، مدبر، مستقل مزاج اپنے وقت اور ضابطے کا پابند ہونا چاہئے، ایسا نرم بھی نہ ہو کہ لڑکوں کو سر پر چڑھالے، نہ ایسا سخت ہو کہ ہوا بن جائے، تعلیم کا کمرہ یا درس گاہ بھی ایسی جگہ نہ ہو جہاں خیالات کے منتشر ہونے کے اسباب ہوں،

مثلاً بازار یا عام گزرگاہ یا جہاں شوروغل یا کسی قسم کا تماشہ ہو، ایسی جگہ پڑھنے پڑھانے میں یکسوئی نہیں ہوتی، معلم ہوشیار اور تعلیم دینے کا شوق رکھتا ہو، تو مندرجہ ذیل چیزیں مہیا کرے۔

تعلیم کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں؟

اوراق ہندسہ، اوراق مفردات، اوراق مدولین، اشکال، حروف مرکبہ، مقطعات، حرکات وتنوین، جزم وسکون، تشدید ومد، علامات جمع تفریق، ضرب، تقسیم، مساوی اور گنتی سکھانے کے لیے کسی قسم کی گولیاں، یا سرکاری اسکولوں میں گنتی اور پہاڑے سکھانے کے لیے جو لکڑی کا مربع شکل کا چوکٹا ہوتا ہے، اس میں لوہے کی دس تاریں ہوتی ہیں اور ایک تار میں مختلف قسم کے رنگوں کے خرادے ہوئے گولے پڑے ہوتے ہیں، ان کے علاوہ تختہ سیاہ، گھڑی، گھنٹہ، مکان وسیع جس میں سردی گرمی سے بچاؤ، اور ہوا کی آمدورفت بموجب قواعد حفظ وصحت کے ہو، یا بجلی کا معقول انتظام ہو، بوریا یا ٹاٹ، قالین، یا پختہ فرش ہو، خوش خطی کی کاپیاں، یا جو کاپیاں سرکاری مدارس میں مروج ہیں، حساب کے رسالے مروجہ مدارس سرکاری، اگر کھیل اور ورزش کے سامان بھی ہوں تو بہتر ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، غرضیکہ حتی الوسع حالات کے تقاضے کے مطابق جس چیز کی ضرورت ہو یا مفید ہو، اس کے بہم پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

بچوں کو محبت و پیار سے تعلیم دیں

بچوں کو ایسے طور سے تعلیم دینی چاہئے جس سے وہ خوش ہو، معلم سے محبت کریں، ان کو علم کا شوق پیدا ہو، ان کی استعداد اور لیاقت بڑھتی جائے، ان کو سوچنے اور غور کرنے کی عادت پیدا ہو، اکثر جگہ اس کے برخلاف بچے مکتب کو قید خانہ بلکہ موت اور استاذ کو خونخوار بھیڑیا سمجھتے ہیں، اور واقعی گھر میں جہاں بچوں نے کوئی دنگہ شرارت کی تو

والدین ان کو اس طرح سے ڈراتے ہیں کہ دیکھ تجھے حافظ جی یا قاری صاحب کے سپرد کردیں گے، گویا کہ والدین کے نزدیک بھی حافظ صاحب ہوَّا ہیں، اور اکثر حافظوں کا مقولہ بھی سنا گیا ہے کہ صاحب بچے تو مارے بغیر پڑھتے ہی نہیں، اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ والدین مار پیٹ کر بچوں کو مکتب میں بھیجتے ہیں، چار پانچ لڑکے جمع ہو کر ایک غریب بچے کو بری طرح گھسیٹتے ہوئے لے جاتے ہیں، وہ بے چارہ مصیبت کا مارا چلاتا ہے، روتا اور چیختا ہے، شور مچاتا ہے، مگر کسی کو اس کے حال زار پر ترس اور رحم نہیں آتا، پھر مکتب میں لے جا کر اس کی خوب گت ہوتی ہے، مار پیٹ کر اس کو قیدیوں کی طرح بٹھا دیتے ہیں، ایک دو مرتبہ طوطے کی طرح الف با تا ثا کہلا دیا کہ جا یاد کر، صبح سے دوپہر تک وہ غریب اس قید میں کبھی روتا ہے، کبھی ہنستا ہے، کبھی دنگہ شرارت کرتا ہے، کبھی چھٹی لینے کے لیے جھوٹے بہانے پیشاب اور پاخانہ کے بناتا ہے، بھلا وہ بچہ جو مکتب میں داخل ہونے سے پہلے شب وروز ہر وقت آزاد تھا، ہر گھڑی اس کا نیا کھیل، ہر دم اس کا نیا مشغلہ، وہ دفعتاً مکتب میں آکر صبح سے شام تک ایک ہی الف با تا کے مضمون میں کس طرح مشغول رہ سکتا ہے۔

بچوں کی تعلیم کی ابتداء اور مانوس کرنے کا طریقہ

بچوں کی مزاج شناسی کے اصول کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے، مناسب ہے کہ پہلے روز بچہ کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنا کر حسب توفیق بچوں کے خوش کرنے کو مٹھائی لے کر خوشی بخوشی محبت اور شوق سے مکتب میں لے جائیں، عموماً بدھ کا دن تعلیم شروع کرانے کے لیے پسند کیا گیا ہے، لیکن کار خیر اور ثواب میں تاخیر اور استخارہ کی ضرورت نہیں، جب وقت ہاتھ سے جاتا ہو، تو بدھ کے انتظار میں دیر کرنا مناسب نہیں ہے، استاذ پہلے بچہ کو محبت اور شفقت سے ٹوفی یا مٹھائی دیکر اپنے سے مانوس کر کے اس کی

وحشت کو دور کرے، پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائے، اور بچہ کو تاکید کرے کہ ہر ایک کام کو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرے، جب بسم اللہ شریف یاد ہو جائے تو الف با تا شروع کراؤ، چھوٹے چھوٹے بچوں کو قاعدے پر پڑھانے کی بہ نسبت الگ الگ ورقوں پر پڑھانا مفید ثابت ہوا ہے، اس طرح جب حروف شناسی ہو جائے، مفردات اور مرکبات کو پڑھنے لگے، حروف کو ملا کر ہجے اور رواں پڑھائیں اور پورا نورانی قاعدہ پڑھا دیں، پھر قرآن شریف خوب اچھی طرح بچہ پڑھ لے گا۔

بچوں کو کیا کیا چیزیں پڑھانی چاہئیں؟

اس طرح بچہ کو ساتھ ساتھ اردو زبان کا قاعدہ بھی پڑھائیں، اور تختی یا کاپی پر مشق بھی کرائیں، جب اردو لکھنا پڑھنا آ جائے تو دینی تعلیم کا رسالہ اور تعلیم الاسلام وغیرہ پڑھائیں یا جو بھی بچہ کے لیے مفید ہو اس کو پڑھایا جائے، خاص طور سے فقہ اور عقائد کے رسالے ضرور پڑھانے چاہئیں، حساب کے سلسلہ میں بھی مسلمانوں میں کوتاہی ہے، حساب کی طرف توجہ بالکل نہیں ہوتی، حالانکہ یہ ایک دلچسپ مضمون ہے، اس میں غور اور فکر کرنے اور سوچنے سمجھنے کی بھی مشق ہوتی ہے، اس لیے حساب کی بھی بچوں کو مشق کرانی چاہئے، دراصل حساب میں عقل کا کام ہے، اور سب بچوں کی عقل برابر نہیں ہوتی، بس اساتذہ کو چاہئے کہ کمزور عقل والے بچوں پر زیادہ توجہ رکھیں، صبر وتحمل کے ساتھ کام لینا چاہئے، اکثر اساتذہ کمزور بچوں کو غلط جواب دینے پر مارتے ہیں، یاد رہے کہ مارنے سے بچے کند ذہن ہو جاتے ہیں۔

بچوں کی نفسیات کو ملحوظ رکھنا چاہئے

اساتذہ اور معلمین کو اپنا طرز تعلیم دلچسپ، عام فہم اور آسان کرنا چاہئے اور بچوں کی قابلیت کے مطابق بچوں سے کام لینا چاہئے، اور ان کی نفسیات کو خاص طور سے ملحوظ

رکھنا چاہئے، مذکورہ بالا تحریر میں جو ہدایات اور اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں، اگر چہ وہ ابتدائی بچوں کے لیے لئے ہیں۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم کی صحت اگلی اعلیٰ تعلیم کی ضامن ہے

مگر سچی بات یہ ہے کہ جب ہمارے ابتدائی بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہو جائے گی اور ان کی صحیح تعلیم کا نظم ہو جائے گا، اور وہ ابتدائی تعلیم پر صحیح طور سے قادر ہو جائیں گے، تو اللہ کی ذات سے امید قوی ہے کہ پھر اگلے تمام مراحل کی تعلیم آسان ہو جائے گی، ثانوی، متوسط اور اعلیٰ تعلیم میں سہولت ہو جائے گی اور آگے چل کر بچہ انہیں خطوط کے مطابق محنت اور جد وجہد کرے گا، جن کا اس کو عادی بنا دیا گیا ہے، اللہ کرے یہ تحریر جس مقصد کے لیے وجود میں آئی اس میں بھر پور کامیابی ہو اور ہمارے مدارس اور مکاتب کے اساتذہ و ذمہ داران اس کو دلچسپی سے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں، بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے اور اسی سے عمل کی توفیق کی امید ہے۔

مدرسہ بورڈ امیدیں، اندیشے اور مشورے

مدرسہ واسکول اور کالج کی اہمیت

اس بات سے سبھی اہل دانش وخرد واقف ہیں کہ اگر فرعون کوئی مدرسہ یا اسکول وکالج قائم کردیتا اور بنی اسرائیل یا نسل انسانی کی تعلیم کا بندوبست کردیتا، تو اس کو ہزاروں، لاکھوں بچوں کو تہ تیغ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کے بعد جتنے بھی فرعون آئے، انھوں نے اس نکتہ کو نہ صرف سمجھا، بلکہ انھوں نے قوموں کے دھارے کو بدلنے کے لیے نت نئے طریقے ایجاد کئے اور ان میں سب سے اولیت تعلیم اور مدرسہ والے طریقے کو ملی اور اس کا انسانی تاریخ میں تجربہ واعتراف بھی کیا گیا، امت مسلمہ جس کی ابتدا ہی تعلیم کے ذریعے ہوئی، اس نے بھی روز آفرینش سے ہی اس گر کو اختیار کیا اور اس طریقے پر کاربند رہی۔

مدارس کا نظام بہت ٹھوس اور اہم ہے

چنانچہ آج دنیا میں جہاں بھی اسلام کا بول بالا اور اس کا تشخص وامتیاز باقی ہے، اس میں سب سے اہم رول مدارس ہی کا ہے، مدارس کا اپنا ایک مزاج اپنی ایک خصوصیت اپنا ایک تشخص اور اپنا ایک طریقہ کار ہے، وہ اکابرین کا اختیار کردہ اور آزمودہ ہے، جس کے ذریعہ انھوں نے بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں، خاص طور پر برصغیر ہندوپاک میں ان کی اپنی الگ شناخت ہے اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں؛ بلکہ ان کی

افادیت واہمیت کا فراعنہ وقت، دشمنان اسلام نے خوب خوب اندازہ کرلیا ہے، چونکہ مدارس کا نظام بہت ٹھوس اور اہم ہے، اس میں دینی تعلیم کو اول اور عصری تعلیم کو ثانوی درجہ پر رکھا جاتا ہے، اور گو کہ مدارس کے قیام کے اولین مقاصد میں مذہبی تعلیم ہی بنیادی تعلیم ہوتی ہے، مگر اس کے ساتھ ہر زمانے میں علماء اسلام نے عصری اور دنیوی تعلیم کو بھی مدارس کے نصاب تعلیم میں جگہ دی ہے اور خودمختاری وآزادی سے عوام کے تعاون سے یہ دینی قلعے پروان چڑھتے رہے اور چڑھ رہے ہیں، حکومت کے کسی بھی طرح کے مالی تعاون اور مداخلت کا ان مدارس میں دخل نہیں رہا۔

مدرسہ بورڈ اور اہل مدارس کے نظریات

لیکن آج کل ہماری حکومت نے خواہ وہ مسلمانوں کی خیرخواہی میں یا پس پردہ ان کے قدیم اسلامی تشخص کو قدغن لگانے میں یا کسی فرعون اکبر کے دباؤ میں مدرسہ بورڈ بنانے کا جو منصوبہ بنایا ہے، اس میں حکومت کی کیا پالیسی ہے، یہ تو اندر کی بات ہے، مگر اس سلسلے میں جو تفصیلات سامنے آرہی ہیں، انھوں نے اہل مدارس کے سامنے کئی اہم سوالات کھڑے کردیئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امیدیں اور اندیشے کے عنوان سے اہل مدارس کے دو نظریات سامنے آرہے ہیں: ایک جماعت کی رائے تو یہ ہے کہ ہمارے مدارس کی تعلیم کا نظم چونکہ عصری درس گاہوں سے حد درجہ بہتر ہے اس لیے انھیں اس طرح کے اقدام یا پیش رفت کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے نزدیک مدرسہ بورڈ کے قیام کا منصوبہ تو مدارس کی روح قبض کرنے کی سازش کا ایک حصہ ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ حکومت کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ پہلے علماء کو اعتماد میں لے۔

مدرسہ بورڈ کے پس پردہ

حکومت اور اسلام مخالف قوتوں کے مذموم مقاصد

بعض مدارس اسلامیہ کے ارباب حل وعقد تو راست طور پر اس مدرسہ بورڈ کے قیام کے پس پردہ اسلام دشمن مغربی طاقتوں، فرقہ وارانہ ذہنیت اور فسطائی سازشوں کا ہاتھ مان رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تعلیم پر کسی بھی طرح کی سیاست نہیں کرنا چاہئے، بعض نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ دینی مدارس میں سرکاری امداد کی پیش کش کے پس پردہ حکومت اسلام مخالف قوتوں کے مسموم اور مذموم مقاصد پوشیدہ ہیں، ورنہ کیا وجہ ہے کہ وہ حکومت وانتظامیہ جو ساٹھ برسوں میں مسلمانوں کو دلت سے بدتر بنانے کی کوشش کرتی رہی ہے، وہ یکا یک مدارس اسلامیہ کی خیر خواہ کیسے بن گئی۔

اہل مدارس کے سامنے روزگار کا کوئی مسئلہ نہیں

بعض کا یہ بھی کہنا ہے کہ مدارس اسلامیہ کا مقصد نہ تو دنیا کمانا ہے اور نہ ہی مدارس میں زیر تعلیم بچوں کے سامنے روزگار کا کوئی مسئلہ ہے، البتہ اسکولوں میں پڑھنے والے مسلم بچوں کا دین خطرے میں ہے، اس لیے ان کو اس صورت حال سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے، بعض کی رائے یہ بھی ہے کہ حتمی طور پر مشروط اور غیر مشروط کسی بھی طرح اس سرکاری مرکزی مدرسہ بورڈ کو قبول نہیں کیا جاسکتا، چونکہ ان دونوں صورتوں میں مدارس پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہیں گے۔

مدرسہ بورڈ کے تئیں ایک دوسرا مثبت نظریہ

جب کہ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی

ہے اور سرکار کے اس اقدام سے مسلمانوں کی ترقی کے راستے کھلیں گے اور یہ اس وجہ سے کہ اس میں کوئی سرکاری مداخلت نہیں ہوگی، چونکہ اس کی باگ ڈور علماء طبقہ کے ہاتھ میں ہوگی، لہٰذا جب اس بورڈ میں مفتیان کرام، علماء حضرات اور دانشوران مدارس ذمہ دار ہوں گے تو پھر کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ ایسی حالت میں نہ تو حکومت مدارس میں اسلامی تعلیمات کے نصاب میں دخیل ہوسکے گی اور نہ ہی کسی مدرسہ پر اس سے الحاق کرنے پر جبر کیا جاسکے گا، مدرسہ بورڈ کے حامیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ مدارس میں ملازمین، اساتذہ اور طلبہ کے ہو رہے استحصال کاری کے خاتمہ کے لیے مرکزی مدرسہ بورڈ ضروری ہے، اور بورڈ کے قیام کا ایک مقصد مدارس کے نصاب میں یکسانیت لانا بھی ہے، اس لیے مجوزہ بورڈ ہی نصاب طے کرے گا۔

بعض لوگ کانگریس کی مخالفت کے سبب دوسری سیاسی جماعتوں کو فائدہ پہونچانے کے لیے بھی اس بورڈ کی مخالفت کررہے ہیں، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ بورڈ بلاشبہ مشروط ہوگا، اس لیے اس کی کوئی مضرت نظر نہیں آتی، بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر اس وقت علماء نے یا مسلمانوں نے اس موقع کو گنوادیا تو پھر کبھی ایسا موقع نہیں ملے گا، غرضیکہ علماء اور دانشور طبقہ میں یہ اور اس طرح کی باتیں ہورہی ہیں، بلکہ جتنے منھ اتنی باتیں سامنے آرہی ہیں۔

آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ کیا ہوا

لیکن قطع نظر ان دونوں نظریوں کے ہمارے لیے سنجیدگی سے سوچنے کا مقام یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک کو آزادی حاصل ہوئے تقریباً ساٹھ سال ہورہے ہیں، اس ساٹھ سالہ عرصے میں مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں، سرکاری عہدوں وریاستی ملازمتوں کے میدان میں، جیلوں میں، عدالتوں میں جو تناسب حاصل ہوا، وہ جسٹس راجندر سچر کمیٹی

کی رپورٹ سے مترشح ہے، اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ ان کو کیسے منصوبہ بند طریقے سے دلت بنانے اور ہر طرح کے حقوق سے محروم کرنے کی سازشیں کی گئی ہیں، پھر اچانک موجودہ حکومت جس کو سب سے زیادہ دنوں تک ملک میں راج کرنے کا موقع ملا ہے، وہی ان کی مسیحا بن کر ان کی ہمدردی میں مدرسہ بورڈ بنا کر ان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا چاہتی ہے۔

حکومت ۴/ فیصد کو چھوڑ کر ۹۶/ فیصد کی فکر کرے

سچر کمیٹی کی رپورٹ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کل مسلم آبادی کے ۴/ فیصد طلبہ مدارس میں زیر تعلیم ہیں، اس رپورٹ میں ان سے سہو ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ رپورٹ غلط اعداد و شمار پر مبنی ہے، چونکہ حقائق اس کے خلاف ہیں، سچ یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مدارس میں ایک فیصد مسلمان بچے ہی تعلیم حاصل کررہے ہیں، باقی ۹۹/ فیصد بچے اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم ہیں، یا پھر ناخواندہ اور ناکارہ ہیں؛ لیکن اگر اس رپورٹ کو صحیح مان بھی لیا جائے تو حکومت کو مخلصانہ مشورہ دیا جائے گا کہ وہ ۴/ فیصد کو ان کے حال پر چھوڑ کر باقی ۹۶/ فیصد کی فکر کرے، چونکہ اس طرح سے بہت ممکن ہے کہ مسلمانوں کو تعلیمی پسماندگی سے نکالنے کا حکومت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوجائے، یہ کیا مضحکہ خیزی ہے کہ حکومت اور اس کی زبان بولنے والے ادارے اور مشن ۹۶/ فیصد کو چھوڑ کر ۴/ فیصد کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، اگر ہم حکومت کی اس وضاحت کو تسلیم کرلیں کہ اس بورڈ میں شامل ہونا یا نہ ہونا مدرسوں کے اختیار میں ہوگا تو آخر اس کی کیا ضمانت ہوگی کہ آنے والا وقت بھی اس اختیار کو باقی رکھے گا، چونکہ اس کی کیا خبر ہے کہ مرکز میں ہمیشہ یہی حکومت بیٹھی رہے گی، حکومت تو ایک آنے جانے والی چیز ہے، اگر کل کوئی فرقہ پرست پارٹی برسر اقتدار آتی ہے تو کیا اس مرکزی مدرسہ بورڈ کو ہتھیار بنا کر تمام

مدارس کے نظام کو سبوتاژ نہ کردے گی؟۔

مدارس کی ڈگریوں کو سرکاری نوکریوں کے لیے تسلیم کیا جائے

اگر حکومت ہند مسلمانوں کے بارے میں اتنی ہی فکر مند ہے اور وہ مرکزی مدرسہ بورڈ قائم کرکے مدارس کو ایمانداری کے ساتھ سہولیات بہم پہنچانا چاہتی ہے، تو یہ ایک اچھا قدم ہے، ہم اس کی قدر کرتے ہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ حکومت سے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اس کے لیے ان مدارس کو جو ایک عرصے سے عوام کے تعاون سے تعلیمی میدان میں قابل رشک خدمات انجام دے رہے ہیں، ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی بجائے حکومت یا اس کے ترجمان یا مسلمان دانشور حضرات نئے مدارس حکومت کے تعاون یا پرائیویٹ طریقے سے قائم کریں، اور ان کو مدرسہ بورڈ سے ملحق کرکے سرکاری سہولیات سے فائدہ اٹھانے کا موقع دے، تو زیادہ بہتر رہے گا، یا پھر مدارس کی ڈگریوں کو سرکاری نوکریوں کے لیے تسلیم کرلیا جائے، اس میں حکومت کی ہمدردی زیادہ قابل اعتراف اور قابل عمل ہے، لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ مدارس کے قیام کے مقاصد میں ہمارے بزرگوں نے معاش کو نظر میں نہیں رکھا، بلکہ یہاں تو ہمیشہ نظر معاد اور آخرت پر ہی رہی ہے۔

مدرسہ بورڈ کے بعد فرعون زماں جو چاہے گا وہ ہوگا

مدرسہ بورڈ کا قیام اگر عمل میں آجاتا ہے اور حکومت اپنے منصوبہ کو عملی شکل دینے میں کامیاب ہوجاتی ہے تو اس کا بھرپور امکان ہے کہ مدرسہ بورڈ بننے کے بعد حکومت اس کے تحت چلنے والے مدارس کے نصاب تعلیم میں ایسے مضامین کو جزو نصاب

بنادے، جس میں دینی عنصر کم اور عصری مضامین زیادہ ہوں گے، نتیجتاً اس کی وجہ سے علم دین کی عزت وعظمت کی روح ان مدارس سے نکل جائے گی، پھر مدارس اور اہل مدارس کا وہ حال ہوگا جو بہار میں ہوا تھا اور ہو رہا ہے، واقف کار خوب جانتے ہیں، نیز اس کے بعد پھر وہ سب ہوگا جو فرعون زماں چاہے گا اور مسلمانوں کے قومی دھارے کو بدلنا آسان ہوگا، اس لیے امت کے مفکر ودانشور علماء حضرات سوچیں اور امت کی صحیح رہنمائی کریں، نام نہاد دانشوروں سے کڑوی بھی سننی پڑے گی، اللہ تعالی امت کو صحیح راستے پر گامزن فرمائے۔

مکاتب دینیہ کا قیام اور ان کی افادیت واہمیت

مکاتب کا قیام وقت کی اہم ضرورت

نئی نسل کے دینی تحفظ کے لیے چھوٹے چھوٹے دینی مکاتب کا قائم کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، ہر زمانے میں مکاتب کی اہمیت وافادیت اور ان کی کارکردگی کو سراہا گیا ہے اور مکاتب کا جال بچھانے کے لیے ہمارے اکابر نے رات دن محنت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں مکاتب کی خاص اہمیت رہی ہے اور جب سے مستقل بڑے مدارس اور دارالعلوموں کا رواج ہوا ہے، تب سے ان کی وقعت اور بڑھ گئی ہے؛ کیونکہ مکاتب میں جو کچا مال تیار ہوکر بڑے مدارس میں جاتا ہے، اس سے مدارس کو ایک تیار شدہ زمین ملتی ہے، جس پر تھوڑی سی محنت کارگر ہوجاتی ہے، بڑے مدارس کا کام تقسیم ہوجاتا ہے اور ہر علاقے، ہر گاؤں میں مکتب ہونے کی وجہ سے امیر وغریب سب کے بچوں کی تعلیم کا نظم آسانی سے ہوجاتا ہے، لہٰذا مکاتب سے جو فائدہ اور فیض ہوتا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں؛ بلکہ مکاتب کے فوائد کے سب معترف ہیں، اس لیے ہر دردمند کو ان کے قیام کی فکر ہے۔

مکاتب قائم کرنے والوں کا مقصد

ہر زمانے میں مکاتب کے قیام کا مقصد صرف اور صرف قرآن کریم کی اشاعت اور دینی تعلیم کا عام کرنا رہا ہے، قائم کرنے والوں اور مکاتب میں تعلیمی خدمات انجام دینے

والوں کا مقصد بھی قوم کے نونہالوں اور نسل نو کی تعلیم وتربیت رہا ہے، اس لیے وہ اس عمل میں کامیاب بھی ہوئے، موجودہ زمانے میں بڑے مدارس اوران کے ذمہ داران بعض جگہوں پر مکاتب قائم کرتے ہیں، اوران مکاتب کے تعمیری صرفے، تنخواہوں اور جملہ ضروریات کوخود برداشت کرتے ہیں اوراپنے حساب سے اساتذہ وغیرہ کانظم کرتے ہیں، یا پھر بعض اہل گجرات، گجرات کے دیہات یاہندوستان کے بعض دوسرے صوبوں کے علاقوں میں مکاتب قائم کرتے ہیں، تقریباً ان کا بھی یہی نظم ہوتا ہے، بعض لوگ مکاتب اس انداز پر قائم کرتے ہیں کہ کسی دیہات کی مسجد میں امام صاحب کو چندسو روپئے دیدیتے ہیں، اوران کا نام اپنے مکاتب کی لسٹ میں لکھ لیتے ہیں، چونکہ امام صاحب کوویسے بھی تھوڑی تنخواہ ملتی ہے، اس لیے سائڈ سے یہ چندسوروپئے ان کی آمدنی میں اضافہ کا سبب بن جاتے ہیں، دوسری طرف مکتب قائم کرنے والے کو چندسو میں ایک مکتب کانام ہاتھ لگ جاتا ہے، یہ بھی کسی قدر غنیمت ہے۔

مختلف علاقوں کے مکاتب کی صورت حال

لیکن بعض علاقوں کی صورت حال یہ ہے کہ اگرکوئی متوسط مدرسہ والاکسی گاؤں یا کسی جگہ پرکوئی مکتب قائم کرتا ہے، تووہاں پرقائم کرنے والے کی نیت توتعلیم کے پھیلانے اورعام کرنے کی ہوتی ہے، مگروہاں کے لوگوں کی یاجس کوذمہ داربنایاہے، یا ذمہ دار نہیں بلکہ اس کووہاں مدرس بنایا ہے، تواکثرمرتبہ ایساہوتا ہے کہ وہ لوگ اس تلاش میں رہتے ہیں کہ معلوم نہیں مکتب قائم کرنیوالا ہمارے مکتب کے نام سے کتناپیسہ کھا رہا ہے؟ اورکہاں سے پیسہ آرہا ہے؟ اورکتنا آرہا ہے؟ یا یہ کہ جیساان مکتب قائم کرنے والوں کا مدرسہ ہے، یافلاں مولانا صاحب کا اورقاری صاحب کا مدرسہ ہے، اس مکتب کوبھی اسی طرح بنایا جائے، بلکہ اس کودارالعلوم بنایا جائے، مستقل اس کی رسیدیں چھپوائی جائیں

اوراس کا چندہ کیا جائے، اس کے لیے سفر کیا جائے، غرضیکہ وہ مکتب سے مدرسہ بنانے اورآزاد ہونے کے چکر میں لگ جاتے ہیں، یہ بات بعض علاقوں میں بہت زیادہ ہے، اس لئے ہرعلاقہ کا عالم یامدرسہ کا ذمہ داراپنے علاقے کے حالات سے زیادہ واقف ہے۔

بعض حضرات کومکاتب کے قیام کا ہیضہ ہے

مگرآج کل قطع نظرعلاقے کی نوعیت، اہل علاقہ کی سوچ اوروہاں کے حالات کے بعض حضرات کواوربعض تجار کومکاتب کا ہیضہ ہے، بس ان کی ایک ہی رٹ ہے کہ مکاتب قائم کرو! بڑے مدرسہ کی کیا ضرورت؟ دارالعلوم کی کیا ضرورت؟ جامعہ کی کیا ضرورت؟ بخاری شریف کی اورعربی تعلیم کی کیا ضرورت؟ بلکہ بعض تجار تو دھڑلے کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم توصرف مکاتب کے لیے ہی تعاون یاچندہ دیں گے، اوراس میں کوئی شک نہیں کہ مکتب کی اہمیت اورضرورت اوراس کا فائدہ الگ ہے، مگردارالعلوم، جامعہ اورمدرسہ کا فیض، اس کی اہمیت اورضرورت بھی توالگ ہے، اگرصرف مکاتب ہی قائم کئے جائیں، توکیا بڑے مدارس کوبند کردیا جائے؟ پھرتو میاں جی، ملاجی، حافظ صاحب، قاری صاحب ہی نظرآئیں گے، اورامت کہیں کی کہیں نظرآئے گی، اس لیے کہ امت کی کشتی کے ملاح علمائے کرام ہیں، اورعلماء مکتب میں نہیں بلکہ مدرسہ، جامعہ اوردارالعلوم میں بنتے ہیں، پھرعلماء کہاں سے آئیں گے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ صرف نرسری یاپرائمری اسکول ہی قائم کئے جائیں، سکنڈری، جونیئر، ہائی اسکول اورڈگری کالج نہ قائم کئے جائیں، ایسے لوگوں کے بارے میں کیارائے قائم کی جاسکتی ہے؟ آپ خودہی اندازہ لگالیجئے! اب جن حضرات یاتجار پرمکاتب کے قیام کا غلبہ ہے، کوئی مدرسہ والا اگران کے پاس آتا ہے، تومکاتب کے قیام کی پرزوروکالت

کرتے ہیں اور دعوت دیتے ہیں کہ مکتب قائم کیا جائے، اگرچہ یہ دعوت بری نہیں ہے مگر علاقے کی ضرورت اور وہاں کے حالات کے مطابق اس کی اہمیت ہے، جسے بہت سنجیدگی سے عمل میں لانا چاہئے۔

مکاتب کے سلسلہ میں بعض حضرات کی زبانی جمع خرچ

چونکہ مستقل مکتب چلانے کے لیے بھی پیسے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے اگر ان تجار سے کہا جائے کہ ٹھیک ہے، آپ صرف مکتب کے ایک استاذ کی تین یا چار ہزار تنخواہ دیدیجئے، یا کسی سے دلوادیجئے، تو بہت سے بغلیں جھانکنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مولانا یہاں بھی بہت تقاضے ہیں، بہت ضرورتیں ہیں، پھر اگر اصرار کے بعد کوئی وعدہ بھی کرلیتا ہے، تو بہت کم لوگ ایسے ہیں جو نبھاتے ہیں، راقم سے بعض حضرات نے ۲۰۰۷ء میں ایک مکتب کے لیے ماہانہ ڈھائی ہزار روپئے کے حساب سے منظوری دی، مگر ابھی تک اس مد میں ایک آنہ بھی نہیں دیا، تو یہ سب ایسی ہی باتیں ہیں۔

بہت سے لوگ مکاتب کے سلسلہ میں خوب تعاون کرتے ہیں

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی بھی اس سلسلہ میں مدد نہیں کرتا، نہیں، بلکہ بہت سے حضرات خوب مدد کرتے ہیں، اور کافی مکاتب کی ذمہ داری اپنے سر لئے ہوئے ہیں اور نبھارہے ہیں، اور بعض جگہ مستقل تنظیمیں اور ادارے بھی قائم ہیں، جو مکاتب کے قیام کا نظم کرتے ہیں۔

مکاتب کے سلسلہ میں ایک تاجر کی حماقت

ایک جگہ ایک تاجر پر مکاتب کے قیام کا بہت زیادہ غلبہ تھا، ان کا ایک لطیفہ دیکھئے، ایک صاحب حصول زر کے سلسلہ میں ان کے پاس گئے، انہوں نے حالات کا جائزہ

لے کر تاجر صاحب سے کہا کہ دیکھئے میرے مدرسے کا جوٹارگیٹ تھا وہ تو پورا ہوگیا، اب اگر آپ کو دینا ہے، تو مکاتب کے لیے دیدیجئے، چنانچہ اس تاجر نے ان کو بڑی رقم دی، اور ان کے جانے کے بعد یہ تاجران صاحب کی اس بات کو لوگوں سے نقل کرتے اور خوش ہوتے کہ دیکھئے وہ صاحب آئے تھے اور انہوں نے اس طرح یہ بات کہی......۔

مکاتب کے فوائد

جیسا کہ معلوم ہے کہ مکاتب کے بہت فائدے ہیں کہ امیر وغریب کے بچوں کی دینی تعلیم کا نظم ہوتا ہے، مدرسہ والوں کو بچے ملتے ہیں، اور پھر جہاں پر مکتب قائم ہیں، وہاں کے لوگ اور امام صاحب مدرسہ والوں سے جوڑ رکھتے ہیں، اس سے مدرسہ کا حلقہ وسیع ہوتا ہے، اور پھر مدرسہ والوں کے جتنے زیادہ مکتب ہوں گے، اتنی ہی لمبی لسٹ تیار ہوگی، جس کے ذریعہ مخیّرین حضرات سے زیادہ وصولیابی کی کوشش کی جائیگی، یہ دنیوی فوائد ہیں، اخروی اس کے علاوہ ہیں، اس لیے بہت سے لوگ امام صاحب کو تھوڑے سے پیسے دے کر ان کی اجازت سے اپنی لسٹ میں ان کا نام لکھ لیتے ہیں۔

ہمارے یہاں تو پہلے سے ہی مساجد میں مکاتب قائم ہیں

ہندوستان میں خاص طور سے ہمارے علاقے میں تو ہر محلّہ اور ہر گاؤں کی مسجد میں مکتب ہوتا ہے، اور امام صاحب نماز پڑھانے کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی پڑھاتے ہیں، تو یہاں تو پہلے ہی سے مکاتب قائم ہیں، جن کے اخراجات کی ذمہ داری خود اہل محلّہ وگاؤں والوں پر ہوتی ہے۔

ضرورت کی جگہوں پر مکاتب قائم ہونے چاہئیں

بہر حال مذکورہ باتوں کے تناظر میں جہاں مکاتب قائم کرنے کی ضرورت ہو وہاں

قائم کرنے چاہئیں، ان کی الگ افادیت ہے، اور جو دارالعلوم، مدرسے اور جامعات قائم ہیں، وہ بھی کوشش کریں کہ ضرورت کی جگہوں پر اپنی نگرانی میں مکاتب قائم کریں اور اپنے علاقے کے دیہات کے لوگوں کو اس طرح سے جوڑیں اور دینی تعلیم کو عام کریں، اور مخیّرین حضرات بھی اس میں دلچسپی لیں، ہمارے بزرگوں نے اس سلسلہ میں بہت کوششیں کی ہیں، جن کی کوششوں اور محنتوں کے ثمرات آج جگہ جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں، ضرورت ہے کہ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر امت کی فلاح و بہبود اور نئی نسل کے دین وایمان اور عقیدہ کی حفاظت کا بندوبست کریں اور دینی تعلیم سے روشناس کرائیں، بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی

وقت کی اہم ضرورت

﴿ایک دعوت، ایک تحریک، ایک کارواں﴾

مرکز احیاء الفکر الاسلامی ایک دینی، دعوتی، فکری، اصلاحی، ادبی، ثقافتی، تعلیمی اور جامع عالمی ادارہ ہے، جس کا قیام علماء حق دیوبند، سہارنپور اور لکھنؤ کی سرپرستی میں قرآن وحدیث اور اسلامی فکر کی دعوت وتبلیغ اور اشاعت کے لیے عمل میں آیا، تاکہ قوم کے اندر صحیح اسلامی روح وفکر اور دینی بیداری وحمیت پیدا کی جائے، عصر حاضر کے اسلوب میں اسلامی کتب دینی پمفلٹ اور دعوتی وفکری وادبی لٹریچر ورسائل تیار کرکے دنیا کے مختلف زبانوں میں شائع کیے جائیں، انٹر، ہائی اسکول پاس اور جدید تعلیم یافتہ حضرات نیز لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ پانچ سال کی قلیل مدت میں خصوصی کورس کے ذریعے عالم دین بنایا جائے اور مساجد ومکاتب قائم کیے جائیں نیز اسلامی شفاخانوں کا قیام کیا جائے تاکہ نادار طلبہ کے ساتھ غرباء اور مساکین کا علاج مفت اور اطمینان بخش ہو سکے، فرق ضالہ اور برادران وطن غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے، اور ان کے سامنے اس کی ہمہ گیری اور پوری انسانی برادری کے لیے باعث رحمت بتایا جائے، اور پیام انسانیت پیش کیا جائے۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مرکز کے دائرہ کار کو مندرجہ ذیل شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

١- جامعة الامام ابی الحسن الاسلامية ٢- جامعة فاطمة الزهراء للبنات

٣-ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر ٤- شعبہ کمپوٹر

٥- مكتبة الامام ابی الحسن العامة ٦- جمعية اصلاح البيان

٧- دعوت وارشاد ٨- دارالافتاء

٩- مجلس صحافت اسلامیہ ١٠- دارالبحوث والنشر

ملت کے دردمند حضرات سے مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ مرکز کا ہر طرح کا تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (انڈیا) فون: 0132-2775452